کاغذ کی گرانی کی وجہ سے کتابوں کی قیمت پانچ آنے فی روپیہ بڑھ گئی

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی تصانیف

تاریخ و سیرت

- آمنہ کا لال عہ
- سیدہ کا لال
- الزہرا عہ
- نوبت پنج روزہ یا وداعِ ظفر
- وداعِ خاتون ۵ر
- امین کا دم واپسیں ۴ر
- دلی کی آخری بہار ۵ر
- بزم رفتگاں (با تصویر) ۱۰ر
- داستانِ پارینہ ۱۲ر
- اُمت کی مائیں ۱۲ر

مذہبی مضامین

- احکام نسواں عہ
- محسن حقیقی ۶ر
- دُعائیں ۸ر
- قرآنی قصے عہ
- زیورِ اسلام عہ

نظموں کے مجموعے

- روداد قفس ۱۲ر
- گرفتارِ قفس ۴ر

سیاسی صحافی سیاسی مضامین

- شہیدِ مغرب عہ
- یادگارِ تمدن ۶ر
- عالم نسواں ۸ر
- سیاحتِ ہند عہ

اصلاحی معاشرتی ناول

- حیاتِ صالحہ
- منازل السائرہ مکمل
- صبحِ زندگی
- شامِ زندگی
- شبِ زندگی دو حصے
- نوحۂ زندگی ۱۲ر
- طوفانِ حیات
- جوہرِ قدامت
- مصر کا چاند

اسلامی تاریخ بطرز ناول

- ماہِ عجم
- عروسِ کربلا
- یاسمین شام
- محبوبۂ خداوند ۱۲ر
- تیغِ کمال
- شہنشاہ کا فیصلہ ۴ر
- منظورِ طرابلس ۵ر
- شاہین و دراج
- دُرِ شہوار ۸ر
- آفتابِ دمشق
- اندلس کی شہزادی ۸ر

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی ان تصانیف کا اور دیگر مطبوعاتِ عصمت کی مفصل اشتہار فہرست کتب طلب فرما کر ملاحظہ کیجئے۔

مختصر افسانوں کے مجموعے

- جوہرِ عصمت
- سیلابِ اشک (با تصویر) عہ
- طوفانِ اشک عہ
- قطراتِ اشک
- خدائی راج (آخری افسانے)
- نسوانی زندگی ۸ر
- گلدستۂ عید ۸ر
- گوہرِ مقصود ۶ر
- گردابِ حیات
- بساطِ حیات ۶ر
- حور اور انسان ۱۲ر
- نشیب و فراز ۴ر

مضامین کے متفرق مجموعے

- عروسِ مشرق ۱۰ر
- گدڑی میں لعل
- مسلمان عورت کے حقوق ۱۲ر
- نالۂ زار ۱۲ر
- بلبلِ بیمار ۱۰ر
- ساجن موہنی ۴ر
- شادی کا انتخاب ۸ر
- فریبِ ہستی ۶ر
- بے فکری کا آخری دن ۴ر
- چمنستانِ مغرب عہ
- بکھری ہوئی پتیاں

لڑکیوں کا نصاب زیر طبع

اصلاحی معاشرت

- بنت الوقت
- سراب مغرب
- فسانۂ سعید
- سودائے نقد
- تمغۂ شیطانی
- سات روحوں کے اعمال نامے
- غدر کی ماری شہزادیاں
- ستونتی
- سمجوگ
- سوکن کا جلاپا
- مودودہ
- تفسیرِ عصمت
- انگوٹھی کا راز
- منازل ترقی
- بچہ کا کرتہ
- وینا کی سرگذشت
- چہار عالم

مذاحیہ افسانے

- نانی عشو
- ولایتی ننھی
- دادا لال بجھکڑ

ادب لطیف

- قلب حزیں
- لڑکیوں کی
- سہیلی ہو

محصول ڈاک بذمہ خریدار — ملنے کا پتہ عصمت بک ڈپو دہلی

دیباچہ

اُردو کیا فارسی اور عربی میں بھی جہاں تک میں تحقیق کر سکا، کوئی ایسی کتاب شائع نہیں ہوئی جو حضرت زینب کبریٰ کی مفصل سوانح عمری کہی جا سکے جس میں محض حسنِ عقیدت نہ ہو بلکہ جو مورخانہ حیثیت بھی رکھتی ہو۔ جو نہ صرف عام مسلمانوں کے لئے لکھی گئی ہو بلکہ غیر مسلموں کے سامنے بھی پیش کی جا سکے۔ ایسی کتاب کیوں نہیں لکھی گئی۔ اس پر بحث کرنا مورخین کی شان میں چھوٹا منہ بڑی بات سمجھی جائے گی۔ کیوں لکھی جانی چاہیئے تھی۔ اس کا جواب کسی حد تک ممکن ہے۔ یہ ناچیز اور حقیر کوشش ہو سکے۔

میں نے یہ کتاب کیوں لکھی اس کی وجہ یہ ہے کہ والد مغفور حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ "سیدہ کا لال" یعنی تاریخ شہادت ختم کرنے کے بعد بی بی زینب کی سوانح عمری لکھنی چاہتے تھے لیکن ابھی ایک سطر بھی نہ لکھی گئی تھی کہ دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ اُن کے بعد پانچ سال تک میں نے کوشش کی کہ کوئی صاحب حیاتِ زینب قلم بند فرما دیں۔ مگر جب کسی نے میری درخواست پر توجہ نہ فرمائی تو باوجود اپنی علمی کم مائیگی کے سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ میں خود ہی اس اہم کام کی جسارت کروں۔ چنانچہ خدا کا نام لے کر میں نے تیاری شروع کر دی۔ ڈیڑھ سال کی شبانہ روز محنت کے بعد کتاب ختم ہو گئی اور آج میں اس خیال سے خوش ہوں کہ حضرت والد مرحوم کی جو ایک خواہش میرے علم میں تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ پوری ہو گئی۔

اس کتاب کی تالیف میں مجھے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک ایک واقعہ کے لئے جو جو دقتیں اُٹھائیں اُنھیں میرا ہی دل اچھی طرح جانتا ہے۔ جن کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی انکی طویل فہرست دے کر میں کتاب کی اہمیت بڑھانی اور اپنی محنت جتانی نہیں چاہتا۔ البتہ دو ایک باتیں عرض کر دینی ضروری ہیں۔

میری رائے میں تاریخی واقعات کو افسانوی رنگ چڑھا کر اس طرح بیان کرنا کہ حقیقت بالکل دب جائے ضرور قابلِ اعتراض ہے لیکن ساتھ ہی اس کے تاریخ یا سوانح عمری میں واقعات کو اس قدر خشک اور غیر دلچسپ پیرایہ میں پیش کرنا بھی کہ دل پر جبر کر کے کتاب کو پڑھا جائے اور ہم اپنی روزانہ زندگی میں ان واقعات سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ انداز پسندیدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے مورخین اور

سوانح نگاروں کی اندھی تقلید نہیں کی۔ اور اُن کی عام روش سے ہٹ کر جس طرز پر یہ کتاب لکھی ہے۔ وہ شاید غیر مستحسن نہ ہو۔

مورخین یا سوانح نگار عام طور پر کسی واقعہ کو بیان کرنے میں اگر یہ نہ کہا جائے کہ طرفداری اور تعصب سے کام لیتے ہیں تو اس سے انکار مشکل ہو گا کہ واقعات کھینچ تان کر اپنے عقائد کے اس پاس ضرور لے آتے ہیں۔ اور اس بات کا لحاظ نہیں رکھتے کہ تاریخی تحقیق میں وہ کسی شخص یا واقعہ کی حمایت یا تردید ایسے الفاظ میں کر رہے ہیں جن سے دوسرے فرقہ کی دل آزاری کھُلم کھُلا ہو رہی ہے ۔میں نے یہ کتاب مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کی وسیع خلیج کو وسیع تر کرنے کی نیت سے نہیں لکھی یہی وجہ ہے کہ ساری کتاب میں لفظ شیعہ یا لفظ سُنی ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔ دونوں طرف کے مورخین کے اختلافات وضاحت سے لکھ دیئے گئے ہیں۔ البتہ بعض ایسے واقعات جو انتہائی اختلافی ہی نہیں تاریخ سے زیادہ عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اُنھیں شامل نہ کرنے سے کتاب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کو مجبوراً نظر انداز کرنا پڑا بعض ایسے واقعات جن کا بیان کرنا اس کتاب میں ضروری تھا مگر مورخین جس صورت میں پیش کر رہے ہیں وہ قابلِ قبول نہیں۔ اُن پر میں نے مفصل بحث کر کے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔

اس کتاب کے بعض حصوں کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ رقت پیدا کرنے کے لئے لکھے گئے یا اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ عقیدت حقیقت پر غالب آگئی ہے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ ایک واقعہ بھی مافوق الفطرت یعنی ناممکن الوقوع یا غیر ممکن العمل بیان نہیں کیا گیا۔ جو کچھ لکھا گیا ہے نفسیات کے تحت۔ انسانی فطرت کے پیشِ نظر۔

حادثہ کربلا اسلامی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہے لیکن اس کے متعلق ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا موسم کیا تھا یعنی واقعی گرمی کا زمانہ تھا یا سردی یا برسات کا۔ انتہائی تحقیق کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ اکتوبر کا مہینہ تھا۔ اس لئے گرم ممالک میں جہاں ریتلی زمین ہے دن کے وقت شدید گرمی لازمی بات ہے۔

بی بی زینب کے متعلق جس قدر واقعات مجھے مل سکے سب اس کتاب میں آگئے ہیں لیکن کسی کتاب میں اگر ایسا کوئی واقعہ پڑھنے والوں کی نظر سے گزرا ہو۔ جو تاریخی حیثیت رکھتا ہو اور ان کی رائے میں اس کتاب میں آنا چاہیئے تو براہ کرم مجھے مطلع فرماویں تاکہ دوسرے اڈیشن میں بڑھایا جا سکے۔

راز ق الخیری

دفتر عصمت دہلی

۲۴۔ دسمبر ۱۹۴۳ء

فہرست

باب پہلا

بی بی زینب کے بزرگوں کا حال

صفحہ

باب دوسرا

بچپن

باب تیسرا

جوانی

صفحہ

باب چوتھا

اسلامی سیاست کی ہولناک چوتھائی صدی

باب پانچواں

واقعہ کربلا

باب چھٹا
کربلا کے بعد

صفحہ

باب ساتواں
آخری ایام زندگی

باب آٹھواں
سیرت

بار اول

جنوری سنہ ۱۹۴۴ء

مطبوعہ محبوب المطابع دہلی

باب پہلا

بی بی زینب کے بزرگوں کا حال

۱۔ کیا بزرگوں کے خون کا آیندہ نسل میں کوئی اثر ہوتا ہے؟

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ جلیل القدر پیغمبر جن کو خدا نے خلیل اللہ کے لقب سے مشرف فرمایا۔ جب اپنے وطن سے نکل کر مصر پہنچے۔ تو شاہِ مصر نے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ کو اُن کے نکاح میں دیا۔ اور حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اُن کی پہلی بیوی حضرت سارہ کو بھی خوشی ہوئی۔ کیونکہ اُن کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن کچھ مدت بعد جب حضرت سارہؓ کو بھی خدا نے ایک بیٹا عطا فرمایا (حضرت اسحٰقؑ) تو اُنھوں نے حضرت ابراہیمؑ پر یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ حضرت ہاجرہؓ اور اُن کے بیٹے اسمٰعیلؑ کو کسی دوسری جگہ آباد کر دیں۔ چونکہ خدا کی مصلحت بھی یہ تھی کہ حضرت اسمٰعیلؑ حجاز میں آباد ہوں اور اُن کی نسل سے اس سرزمین پر سرورِ عالم رسولِ اکرم صلعم پیدا

ہوں۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہؓ اور اسمٰعیل کو شام سے لے جاکر حجاز میں پہنچا دیا۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر بارہ سال کی ہوگئی تو انھیں دیکھنے حضرت ابراہیمؑ حجاز آئے۔ رات کو خواب میں اللہ تعالیٰ کا حکم ملا کہ " اے ابراہیمؑ! اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ہماری راہ میں قربان کردو"۔ یہ ساتویں ذی الحجہ کی رات تھی۔ ۸ تاریخ کو دن بھر پریشان رہے۔ رات کو پھر یہی خواب دیکھا۔ اور ۹ تاریخ کی شب کو تیسری مرتبہ پھر خواب میں خدا کا حکم ملا کہ ابراہیمؑ اپنے پیارے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ہمارے لئے قربان کردو۔ ۱۰ ذی الحجہ کا آفتاب نمودار ہوچکا تھا کہ آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو آواز دی اور کہا " بیٹا! چھری اور رسّی لے آؤ۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ لائیں"۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے تعمیل حکم کی۔ دونوں باپ بیٹے جنگل کی طرف چلے۔ اور کوہِ شبیر کے نشیب میں پہنچ کر باپ نے خواب کا واقعہ بیٹے کو سنایا۔ باپ کا خون بیٹے کی رگوں میں دوڑ تھا۔ کہا " ابا جان! خدا کا حکم ہنسی خوشی پورا کیجئے۔ خدا کی رضامندی اور آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہ سر حاضر ہے"۔ حضرت ابراہیمؑ نے منیٰ کے مقام پر حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک پتھر کے قریب زمین پر لٹایا۔ تو بیٹے نے کہا " ابا جان! آنکھوں پر پٹی باندھ دیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ شفقتِ پدری کی وجہ سے چھری میری گردن پر تیز نہ چلے"۔ باپ نے آنکھوں پر کپڑا باندھ کر چھری بیٹے کے حلق پر رکھ دی اور چاہتے تھے کہ چھری پھیرنی شروع کریں کہ کانوں میں یہ آواز آئی " ابراہیمؑ! تونے ہمارا حکم پورا کردیا۔ اسمٰعیلؑ کو چھوڑ اور اس کے بدلے مینڈھے کو ذبح کر"۔ حضرت ابراہیمؑ نے چھری بیٹے کے حلق سے اٹھائی اور مینڈھے کو ذبح کردیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ حضرت نوحؑ نے خدا کے حکم سے اپنے ایک بیٹے کو طوفان میں غرق ہوتے

اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور صبر و سکون سے کام لیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ انھیں کی نسل سے تھے۔ اسی لئے اُن کے خون کا اثر یہاں بھی ظاہر ہُوا۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحٰق کے بیٹے یعقوبؑ بھی ایک بڑے پیغمبر تھے۔ اُنھوں نے شام میں اپنے ماموں کی بیٹی راحیل سے شادی کی تھی۔ جن سے دو بیٹے ہوئے۔ یوسفؑ اور بُنیامین۔ یوسفؑ کے دس سوتیلے بھائی تھے۔ انھوں نے جب یہ محسوس کیا کہ ہم سب کے مقابلہ میں ہمارے باپ کو یوسفؑ سے بہت زیادہ محبت ہے۔ تو وہ کھیل کے بہانے یوسفؑ کو جن کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ جنگل میں لے گئے۔ ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔ اور باپ سے آکر کہا کہ "ہم سب کھیل رہے تھے۔ یوسفؑ کپڑوں کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک بھیڑیا آیا اور اُن کو اُٹھا کر لے گیا۔"

حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی جدائی کا اس قدر صدمہ ہوا اور وہ بیٹے کے فراق پر اس قدر روئے کہ اُن کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینکے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ادھر سے ایک قافلہ گزرا جس نے یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالا اور عزیزِ مصر (وزیرِ خزانہ) کے ہاتھ اُنھیں فروخت کر دیا۔ اس نے انھیں بیٹا بنا لیا۔ اور اپنی بیوی زُلیخا کے سُپرد کر دیا۔ زُلیخا بہت خوبصورت تھی۔ اُس نے جو یوسفؑ کا حُسن و جمال دیکھا تو اُن پر فریفتہ ہوگئی۔ اور انھیں اپنی طرف مائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مگر خاندانی خون کے اثر سے حضرت یوسفؑ لغزش سے محفوظ رہے۔ زُلیخا نے آپ کو قیدخانہ بھجوا دیا۔ جہاں آپ نے خواب کی تعبیر کا علم حاصل کیا۔ بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر لینے کے لئے انھیں بلایا۔ ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اور ایک دن وہ آیا کہ سلطنت کا انتظام ان کے سپرد کر دیا۔

حضرت یعقوبؑ کو بیٹوں کی طرف سے جو روحانی اذیت پہنچی۔ اور یوسفؑ کی جدائی میں اُن کے دل پر جو کچھ بیتی تھی اس پر انھوں نے صبر سے کام لیا اور خدا کے

کرم پر بھروسہ رکھا۔ اسی طرح ان کے بیٹے یوسفؑ نے بھائیوں کے مظالم پر دامنِ صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ کیونکہ ان دونوں باپ بیٹوں کی رگوں میں ان کے آبا و اجداد کا خون تھا۔ جو صبر و تحمل اور ضبط و متانت کے پیکر تھے۔

۳۔ بی بی رحمت حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی صبر و استقلال کی پتلی تھیں۔ حضرت ایوبؑ کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ اور کوئی متنفس آکر نہ جھانکتا تھا۔ حالت اس قدر نازک ہو گئی تھی کہ ان کو جنگل میں لے جاکر ڈال دیا گیا تھا۔ اُس وقت بی بی رحمت ہی تھیں۔ جنھوں نے ان کو نہ چھوڑا اور برابر خدمت میں مصروف رہیں۔ یہاں تک کہ محنت مزدوری کر کے ان کے کھانے پینے کا برسوں انتظام کیا۔ یہ وفاداری اور صبر و استقلال ان کو اپنے دادا حضرت یوسفؑ سے ورثہ میں ملا تھا۔ جن کا خون اُن کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔

۴۔ بنو اسرائیل میں بہت سے انبیاء گزرے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور ان کی والدہ اسی نسل سے تھے۔ جب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے۔ اور حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے تو اُن کی ماں کو یقین ہو گیا کہ اور بچوں کی طرح میرا بچہ بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اس لئے انھوں نے کلیجہ پر صبر کی سل رکھی اور ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ صندوق تیرتا تیرتا جب فرعون کے محل کے پاس پہنچا تو اس کی بیوی آسیہ دریا کی سیر کر رہی تھی۔ اس نے صندوق نکلوایا اور بچہ کو دیکھ کر اس قدر پیار آیا کہ اسی وقت اس کی پرورش کا فیصلہ کیا۔ خدا اپنی قدرت کا تماشہ اس طرح دکھاتا ہے کہ دایہ کی حیثیت سے حضرت موسیٰؑ کی ماں فرعون کے محل میں داخل ہوئیں اور اپنے بچہ کی خود پرورش کی۔ یہ میٹھا پھل تھا۔ ان کے تلخ صبر کا انھوں نے خدا کے بھروسہ پر کلیجہ کے ٹکڑے کو صندوق میں بند کر کے جو دریا میں ڈالا اور دامنِ صبر و استقلال ہاتھ سے نہ جانے دیا یہ یقیناً ان کو اپنے خاندان سے ورثہ میں ملا تھا

۵۔ ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رسول اکرمؐ کی پہلی بیوی اور حضرت زینبؓ کی نانی قریش کے ممتاز خاندان اور حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے تھیں ناز و نعم میں پلیں اور دولت و ثروت میں آنکھ کھولی۔ جب ان کا نکاح سرورِ کائنات سے ہوا تو کافی مال و دولت کی مالک تھیں مگر انھوں نے حضور اکرمؐ کو نبوت عطا ہونے کے بعد اپنی ساری دولت نصرِ اسلام کی تعمیر میں صرف کر دی اور اپنے شوہر کے ساتھ عُسرت کی زندگی گزارنے لگیں بلکہ فاقوں تک نوبت پہنچ گئی۔ افلاس اور فلاکت سے اکتا جانا اور پیہم تکالیف سے گھبرا جانا بشریت کے خلاف نہ ہوتا مگر ان کی رگوں میں جلیل القدر انبیاء کا خون تھا۔ صبر و استقامت ان کو خاندان سے ورثہ میں ملی تھی اس لئے ان تمام جسمانی و روحانی اذیتوں کو ہنستی خوشی انہوں نے برداشت کیا۔

ان پانچ مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بزرگوں کے خون کا اثر نسلاً در نسلاً رہتا ہے لیکن تاریخ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ دنیوں کے ہاں بھی بھوت پیدا ہوئے ہیں اور معمولی خاندانوں میں بھی ایسے لوگ گزرے ہیں۔ جو اپنے کنبے برادری ہی کے لئے نہیں بلکہ اپنی قوم کے لئے بھی باعثِ فخر تھے۔ اس لئے یہ کہنا تو غلط ہے کہ نسلی امتیازات خاندانی خصائص اور خون کا اثر خاندان کے تمام افراد میں یکساں ہوتا ہے۔ البتہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ خاندانی افراد میں خاندانی نسلوں کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے بعض افراد میں زیادہ بعض میں بہت زیادہ۔ بعض میں کم بعض میں اس قدر کم کہ محسوس نہیں ہوتا لیکن جہاں خون کا اثر محسوس نہیں ہوتا وہاں اس کے کچھ اور اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً تربیت۔ ماحول صحبت تعلیم وغیرہ یہی وجہ ہے کہ دو حقیقی بہنوں یا بھائیوں کی طبیعت اور مزاج میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

بی بی زینبؓ کے حالات شروع کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ پہلے ہم ان کے شجرۂ نسب پر ایک نظر ڈالیں اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ نجیب الطرفین ہیں۔ ان کے ان بزرگوں کے جن کا خون خصوصیت کے ساتھ ان کی رگوں میں دوڑتا رہا۔ چند ایسے واقعات زندگی پیش کئے جائیں جن کا سیرتِ زینبؓ پر گہرا اثر پڑا۔

۲۔ بی بی زینبؓ کا شجرہ نسب

باپ کے اجداد | باپ کے اجداد | ماں کے اجداد

(۱) عدنان
(۲) معد
(۳) نزار
(۴) قطر
(۵) الیاس
(۶) بدرکا
(۷) خزیمہ
(۸) کنانہ
(۹) نضر
(۱۰) مالک
(۱۱) نہر
(۱۲) غالب
(۱۳) لوی
(۱۴) کعب
(۱۵) مرۃ
(۱۶) کلاب

(۱۶) کلاب

(۱۷) قصی — اس کی ماں کے اجداد — عبدالعزیٰ

(۱۸) عبدمناف — اسد

(۱۹) ہاشم — خویلد

(۲۰) عبدالمطلب — (۲۰) اسد — نانی بی بی خدیجہ

(۲۱) عبداللہ — (۲۱) فاطمہ بنت اسد (دادی) — ماں بی بی فاطمہ

(۲۱) ابوطالب (دادا) — بی بی زینب

نانا (۲۲) محمد رسول اللہ

ماں (۲۳) بی بی فاطمہؓ — (۲۳) علیؓ باپ
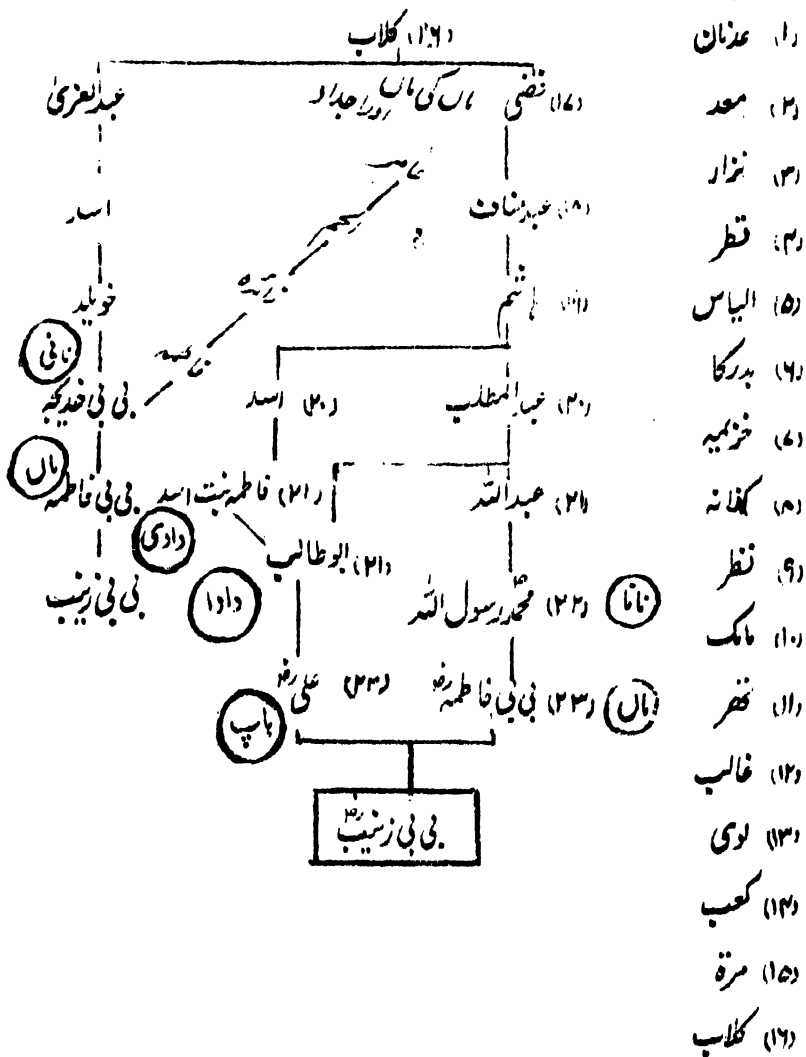
بی بی زینبؓ

۳۔ بی بی زینبؓ کے نانا

درود و سلام ہزاروں مرتبہ۔ بی بی خدیجہ رضؓ کے شوہر، بی بی فاطمہ رضؓ کے باپ، اور بی بی زینبؓ کے نانا پر، خالق کے محبوبؐ اور مخلوق کے محسنؐ پر، اُس انسان کامل پر جس میں انسانیت کی تمام خوبیاں جمع تھیں۔ اُس ذات واحد پر جس کی نظیر اُس سے پہلے اور اُس کے بعد دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضور اکرمؐ کی زندگی انتہا درجہ کی سادہ اور تکلفات سے پاک صاف تھی۔ ہر شخص سے اپنا ہو یا غیر خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے اور ہر وقت خدمتِ خلق پر آمادہ رہتے۔ جو شخص آپ سے ملنے آتا اس کے پاس بیٹھے رہتے۔ اور اس کی باتوں سے نہ گھبراتے۔ جو شخص راستہ میں مل جاتا سلام کرنے میں خود پہل کرتے۔ زہد۔ صبر۔ قناعت۔ رضا اور توکّل کی یہ کیفیت تھی کہ جَو کی روٹی تناول فرماتے۔ نرم و گداز بستر پر کبھی آرام نہ فرمایا۔ غلّہ اکثر میسّر نہ آتا اور متواتر کئی کئی وقت کا فاقہ ہوتا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے آپ صبح بھوکے اُٹھے اور دن کا بڑا حصّہ خالی پیٹ گزر گیا۔ اکثر رات کو بھوکے سوئے اور دوسرے دن بھی فاقہ ہوا امانت اور دیانت کا یہ حال تھا کہ اہلِ مکّہ بچپن ہی سے آپ کو امین کہتے تھے۔ جب آپ نے اپنی گمراہ اور بُت پرست قوم کی اصلاح شروع کی اور فرمایا کہ سوائے خدائے واحد کے کوئی عبادت کے قابل نہیں تو سارا مکّہ آپ کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ جو پیغامِ الٰہی آپ دنیا میں لے کر آئے تھے۔ اُسے خدا کی مخلوق کو پہنچانے اور راہِ راست دکھانے میں آپ کو کیسی کیسی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچی ہیں۔ اُن کے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ توریت و زبور کے دو عالم یہ معلوم ہو کر کہ مکّہ میں اس نبی کا ظہور ہوا ہے۔ جن کی خبر اُن کی کتابیں پہنچا رہی ہیں۔ مکّہ آئے اور ایک بقّال سے پوچھتے

ہیں کہ محمدؐ جس نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے کہاں رہتا ہے۔ وہ ابھی پتہ دریافت ہی کر رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں ایک شخص پر جس کی پیشانی اور سر سے خون بہہ رہا ہے، ایک جم غفیر پتھر مارتا اور غلاظت پھینکتا چلا آرہا ہے۔ بقال کہتا ہے۔ "محمدؐ جسے تم پوچھ رہے ہو، یہ ہے"۔ دونوں آگے بڑھتے ہیں۔ اور آپس میں کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ نبی ہے۔ تو اس کی بد دعا ان پر قہرِ الٰہی نازل کردے گی۔ مگر وہ سکتہ میں رہ جاتے ہیں اور ان کی عقل چکرا ئی ہے۔ جب قریب پہنچ کر اس انسان کے جو خون میں نہا رہا ہے۔ لب ہائے مبارک سے آہستہ آہستہ یہ الفاظ ادا ہوتے ہوئے سنتے ہیں:۔

"الٰہی میری قوم پر رحم کیجیو اس نے ابھی مجھے پہچانا نہیں۔"

اہلِ قریش نے ایک آدہ دفعہ نہیں بارہا کہا کہ "جس چیز کی تمہیں ضرورت ہو لو۔ دولت چاہتے ہو تو سونے چاندی کے ڈھیر لاکر جمع کردیں۔ عورت چاہیئے تو خوبصورت سے خوبصورت عورت موجود ہے مگر ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے بتوں کو برا نہ کہو"۔ آپ نے ان سب باتوں کا جواب یہ دیا کہ "سوائے خدا کے کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ میں بس یہ چاہتا ہوں کہ تم ایک خدا کی عبادت کرو"۔ آپ کی قوم آپ کا مضحکہ اڑاتی اور طعن وتشنیع کرتی آپ کی کوششوں کو ناکام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی اور ہر ہر قدم پہ روڑے اٹکاتی اور آپ کو انتہائی جسمانی تکالیف پہنچاتی ہے۔ مگر آپ کی استقامت میں ذرہ برابر فرق نہ آتا۔

آپ نے کبھی کسی شخص کو برا کہا نہ مارا۔ آپؐ کو جسمانی و روحانی تکلیفیں جس جس سے پہنچیں اس کے حق میں راہِ راست پر آنے کی دعا کی۔ اور کبھی کسی سے انتقام نہ لیا۔ فتح مکہ کے بعد مشرکین کو آپ سخت سے سخت سزا دے سکتے تھے۔ لیکن اس ذات اقدس کی زبان سے کسی کے متعلق سخت الفاظ تک نہ نکلے۔

ایک دفعہ ایک کافر مکّہ سے مدینہ آپ کو قتل کرنے کے لئے آیا۔ صحابہؓ کو اس کے ارادہ کا علم ہوگیا۔ پکڑ کر آپ کی خدمت میں لائے۔ آپ نے معاف فرما دیا۔ عبداللہ بن ابی مدینہ

کے منافقوں کا سردار ہمیشہ آپ کو تکلیفیں پہنچاتا رہا۔ جب وہ مرگیا تو اس کے کفن کے لئے اپنا کرتہ مرحمت فرمایا۔

فتح خیبر کے بعد ایک یہودی نے زہر ملاکر بکری کا گوشت کھلا دیا۔ اس سے بھی آپؐ نے انتقام نہ لیا۔ جنگ اُحد میں مشرکین مکہ نے پتھروں سے زخمی کیا صحابہؓ نے عرض کیا" ان کے لئے بددعا کیجئے۔" آپؐ نے فرمایا" مجھے بددعا کے لئے نہیں بھیجا گیا۔"

آپ ہر شخص کی فریاد سنتے اور اس کی مدد فرماتے۔ بچوں کو گود میں لے کر کھیلتے اور اُن سے انتہائی شفقت کا برتاؤ کرتے۔ ایک دفعہ آپ نماز عید کے لئے تشریف لے جارہے تھے کہ دیکھا ایک بن ماں بن باپ کا بچہ میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک کونے میں بیٹھا رو رہا ہے۔ آپ اسے اپنے گھر لائے۔ نہلا دھلا حضرات حسنین کے کپڑے پہنا پشت مبارک پر بٹھا کر عید گاہ لے گئے۔

عورت، آپ کی تشریف آوری سے قبل جس کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ اُسے آپ نے جانور سے انسان۔ اور لونڈی سے بیگم بنا دیا۔ اور فرمایا۔

" عورت کی عزت وہ کرتے ہیں۔ جو شریف ہیں۔ اور توہین وہ کرتے ہیں۔ جو پاجی ہیں۔"

آپ دوسروں کی بکریوں کا دودھ دوھتے اور بازار سے لوگوں کے سودے لادیتے۔ اپنے کپڑے اپنے ہاتھوں سے دھوتے اور خود پیوند لگاتے۔ اپنے جوتے آپؐ ٹانک لیتے۔ سفر میں کوئی غلام ساتھ ہوتا تو اُسے اپنی سواری پر بٹھا لیتے۔

ایک لڑائی میں صحابہ جمع ہوکر کھانا پکا رہے تھے۔ ہر شخص کے ذمہ ایک ایک کام تھا۔ حضورؐ نے لکڑیاں فراہم کرنے کا کام اپنے ذمے لیا۔ صحابہ نے عرض کیا" حضور تشریف رکھیں ہم سب کام کرلیں گے۔" مگر آپؐ نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے اپنے آپ کو بڑا بنانا پسند نہ فرمایا۔

۴۔ بی بی زینبؓ کی نانی

بی بی زینبؓ کی نانی حضرت خدیجۃ الکبرےٰ قریش کے ایک خوش حال اور ممتاز خاندان سے تھیں۔ عرب کے مشہور مسیحی عالم ورقہ بن نوفل ان کے چچازاد بھائی اور حضرت زبیرؓ مشہور صحابی ان کے بھتیجے تھے۔ یکے بعد دیگرے تین شوہروں کے انتقال کے بعد ان کا چوتھا نکاح چالیس سال کی عمر میں سرورِ کائنات سے ہوا جب رسول اکرمؐ کی عمر پچیس سال تھی۔ سرورِ کائناتؐ کو جب نبوت عطا ہوئی تو سب سے پہلے بی بی خدیجہ نے تصدیق کی بی بی خدیجہ بہت دولت مند خاتون تھیں۔ مگر انھوں نے اپنی ساری دولت دین کی خدمت اسلام کی ترقی اور اپنے شوہر کی خوشنودی میں قربان کردی۔ تعمیر کعبہ کے بعد حجاز میں سخت قحط پڑا۔ حضرت خدیجہؓ کی دولت نے اس وقت بہت سے غریبوں، ناداروں کی اعانت کی اور ہزاروں جانوں کو فاقوں سے بچایا۔

جب غارِ حرا میں آنحضرتؐ ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات میں غور و خوض اور ذکر و عبادت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے تو بی بی خدیجۃ الکبریٰ کھانے پینے کا خصوصیت کے ساتھ انتظام کرتیں اور بعض اوقات خود پہنچا دیا کرتی تھیں۔ مشرکین مکہ جو اذیتیں رسالتمآب صلعم کو پہنچاتے ان سے بی بی خدیجۃ الکبرےٰ کو روحانی اذیت ہوتی تھی۔ وہ اگر چاہتیں تو بنو ہاشم اور اپنے قبیلہ کے لوگوں پر اثر ڈال کر مشرکین مکہ سے انتقام لے سکتی تھیں مگر انہیں رسول اللہؐ کی رسالت کا کامل یقین تھا اور وہ جانتی تھیں کہ خدا کے برگزیدہ پیغمبروں کو راہِ حق میں تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہؐ کے ساتھ خود بھی تمام تکلیفیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مکہ کے مسلمانوں کی مختصر جماعت پر قریش مکہ کے مظالم دیکھ کر آنحضرتؐ نے ہجرت حبشہ کی اجازت دیدی تھی مہاجرین میں ام المومنین کی بیٹی حضرت عثمانؓ کی بیوی بی بی رقیہ بھی تھیں۔ اپنی عزیز اور محبوب

بیٹی کی جدائی کا اُم المؤمنین کو سخت صدمہ تھا مگر اسلام سے عشق کی یہ کیفیت تھی کہ اس جُدائی کو ہنسی خوشی قبول کیا۔

نبوت کا ساتواں سال تھا کہ مشرکین قریش نے آپس میں طے کیا کہ محمد اور اُن کے قبیلہ بنو ہاشم سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ اس فیصلہ کے بعد بنو ہاشم پر انھوں نے ایسی زیادتیاں کیں کہ تنگ آکر وہ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں چلے گئے۔ اور سامان خورد ونوش میسر نہ آنے کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا اور درختوں کے پتے کھا کر پیٹ کی آگ بجھاتے رہے۔ حضرت خدیجہؓ نے یہ تین سال کا زمانہ کئی کئی وقت کے فاقوں میں گزارا ہے اور اُن کے معصوم بچے اس گھاٹی میں بھوک اور پیاس کی تکلیف سے اکثر روئے ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ اُمورِ خانہ داری کا پورا پورا تجربہ رکھتی تھیں اور گھر کا انتظام اس خوبی سے کرتی تھیں کہ سرورِ دوعالم کو کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ آپ کی خوش انتظامی اور سلیقہ شعاری کو دیکھ کر حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا: "بچوں کی ماں اور گھر کی منتظم"۔

۲۵ سال تک آپ نے رسول اللہ کے ساتھ زندگی بسر کی اور ان تمام شدائد و مصائب کا پوری قوت سے مقابلہ کیا جو اشاعتِ اسلام میں پیش آئے۔ اگر حضرت خدیجہ جیسی غمگسار اور ہم خیال بیوی رسولؐ کو نہ ملتیں تو سرورِ کائنات کی مشکلات میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا۔

رسالتمآب صلعم کو بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔ اور بعد وفات آپ ہمیشہ ان کو یاد کرتے رہے۔ بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولؐ اللہ اکثر بی بی خدیجہؓ کا ذکر فرماتے ایک دن میں نے کہا "وہ تھیں کیا ایک بڑھیا۔ خدا نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عطا فرمائی"۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور فرمایا۔ "خدا کی قسم مجھ کو ان سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں اس وقت جب سب کافر تھے انہوں نے میری رسالت کی تصدیق اس وقت کی جب سب مجھے جھٹلا رہے تھے انہوں نے اپنا سارا زر و مال اس وقت اسلام کی راہ پر قربان کیا جب کوئی شخص میری مدد نہ کر سکا اور اللہ نے اُن کے بطن سے مجھے اولاد عطا فرمائی"۔

۵۔ بی بی زینبؓ کے دادا

بی بی زینبؓ کے دادا ابو طالب حجاز کے نامور سردار عبدالمطلب کے بیٹے اور رسول اللہ کے حقیقی چچا تھے۔ ابو طالب کے تین بیٹے (جعفر، عقیل اور علیؓ) اور دو بیٹیاں تھیں۔ حجاز میں جب قحط پڑا اور ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ رہی تو رسول اللہ نے حضرت علیؓ کو حضرت عباس (ابو طالب کے بھائی) نے حضرت جعفر کو اپنی کفالت میں لیا۔ ابو طالب کو خدا نے خاص عظمت خاندان بخشی تھی۔ اور ان کی سب سے بڑی عظمت یہ تھی کہ اپنے والد عبدالمطلب کے بعد یتیم بھتیجے رسول اکرمؐ کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی اور عہدِ نبوت کے آغاز میں دشمنوں کے ہاتھوں سے حضور کو محفوظ رکھا۔ چالیس سال کی عمر میں جب حضور اکرم کو نبوت عطا ہوئی تو بچوں میں سب سے پہلے ابو طالب کے بیٹے علی مرتضیٰ ایمان لائے۔ ابو طالب کا اس معاملہ میں اپنے بیٹے علیؓ کو کچھ نہ کہنا ظاہر کرتا ہے کہ ابو طالب کو اپنے بھتیجے رسولِ اکرمؐ پر کس قدر اعتماد تھا۔ نبوّت کے چوتھے سال کے آغاز میں رسول اللہ نے علانیہ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضور اکرم کے تبلیغی الفاظ اور حضرت علیؓ کے تائیدی فقرات سُن کر حضور اکرمؐ کے چچا ابو طالب سے دوسرے چچا ابولہب نے کہا۔ "اپنے بھتیجے اور بیٹے کی اطاعت قبول کرلو"۔ ابو طالب کا اس طنز پر خاموش رہنا اور اشتعال انگیز گفتگو کا کوئی اثر نہ لینا۔ حق پرستی اور ایثار نفسی کی اعلیٰ صفات ہیں جو ابو طالب سے علیؓ اور ان کی صاحبزادی بی بی زینبؓ کو ورثہ میں ملیں۔ قریش کے سرداروں نے کئی بار ابو طالب سے شکایت کی کہ "تمہارا بھتیجا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ اور ہمارے بتوں کو بُرا کہتا رہتا ہے"۔ ایک دفعہ جب یہ کہا کہ "اس کو ہمارے حوالے کردو ورنہ ہم تم سے قطع تعلق کرلیں گے"۔ تو اُنھوں نے حضور اکرمؐ سے گفتگو کی۔ رسول اللہؐ نے جواب دیا کہ "اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج رکھ دیں جب

بھی خدائے واحد کی طرف اپنی قوم کو بُلانے سے باز نہ رہوں گا۔" ابو طالب بہت متاثر ہوئے اور اُنہوں نے کہا "جو تمہارے جی میں آئے کرو میں تم سے ہرگز قطع تعلق نہ کروں گا۔" آخر جب قریش نے یہ طے کیا کہ بنو ہاشم کے تمام لوگوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کرلیں تو ابو طالب نے بنو ہاشم کو جمع کر کے کہا کہ "قریش بنو ہاشم کے دشمن ہو گئے ہیں کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ محمدؐ کی حفاظت کریں۔ جو تمہارے خاندان کا ایک امین اور دیانت دار شخص ہے۔" بنو ہاشم نے حضور اکرمؐ کی حفاظت کا عہد کیا اور ابو طالب سب کو لے کر ایک پہاڑی پر تین سال رہے۔ اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے ذریعہ اسلام کو غیر معمولی مدد پہنچائی اگرچہ انہوں نے توحید و رسالت کا اعتراف زبان سے نہ کیا لیکن مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اپنے بھتیجے سے انتہائی محبت اور اسلام سے کچھ نہ کچھ عقیدت تھی۔ جب ان کی رحلت کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائیوں حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کو جو اسلام قبول کر چکے تھے بلوایا اور یہ وصیت کی "تم محمدؐ کو اپنی حمایت اور حفاظت میں رکھنا اور کسی حال میں ان کی طرف سے غافل نہ ہونا۔"

۶۔ بی بی زینبؓ کی دادی

بی بی زینبؓ کی دادی جناب فاطمہ بنت اسد خاندان بنو ہاشم کے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی پوتی تھیں۔ ان کے والد اسد بن ہاشم اور عبد المطلب دونوں بھائی تھے۔ اور یہ شرف صرف جناب فاطمہ بنت اسد اور ابو طالب ہی کو حاصل ہے کہ ان کی نسل سے سب سے پہلے ہاشمی خلیفہ (حضرت علیؓ) پیدا ہوا۔ اور اس عہد میں یہ شرف بھی صرف حضرت علیؓ کو حاصل تھا کہ وہ نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ "فاطمہ بنت اسد نے مکہ معظمہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور رسول اللہؐ کے

ساتھ ہجرت کی تھی"۔ بعض مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ فاطمہ بنت اسد ہجرت نبوی کے بعد مدینہ آئیں۔ اور وہیں اسلام قبول کیا"۔

رسولؐ اللہ کو اپنی چچی فاطمہ بنت اسد سے انتہا درجہ کی محبت تھی اس پر تمام مورخین متفق ہیں۔ فاطمہ بنت اسد حضور اکرمؐ کو اپنا بیٹا سمجھتی تھیں اور ہر موقع پر ان کی مدد کرتی تھیں۔ اور ابو طالب کو رسولؐ اکرم کی حفاظت و حمایت کی ہمیشہ تلقین کرتی رہتی تھیں۔ رسولؐ اللہ نے بھی اپنی چچی کی بارہا تعریف کی اور ان کے احسانات کو سراہا ہے۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں فاطمہ بنت اسد کی وفات کا واقعہ حضرت انسؓ بن مالک سے ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے وفات پائی تو حضور اکرمؐ تشریف لائے اور سرہانے بیٹھ کر فرمایا "اے میری ماں۔ خدا تم پر رحم فرمائے۔ میری ماں کے بعد تم ہی میری ماں تھیں۔ خود بھوکی رہتیں۔ اور مجھ کو کھلاتی تھیں۔ خود تکلیف اٹھاتیں اور مجھ کو نہلاتی تھیں"۔ حضرت انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ یہ الفاظ فرما کر حضور اکرمؐ نے میت کو غسل دینے کے لئے فرمایا۔ اور کافور ملا ہوا پانی اپنے ہاتھ سے میت پر ڈالا۔ پھر اپنا پیراہن مبارک دیا اور جنازہ تیار کرایا۔ حضور اکرمؐ نے اپنی چچی کی لحد بھی خود کھودی۔ اور خود قبر میں اتارا۔ اور تدفین کے بعد حضرت عباس کے بیان کے مطابق یہ فرمایا "ابو طالب کے بعد میرے ساتھ نیکی اور سلوک فاطمہ بنت اسد سے زیادہ کسی نے نہیں کیا"۔

۷۔ حضرت زینبؓ کے باپ

حضرت زینبؓ کے باپ اور اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہاشمی خاندان کے بہترین شخص تھے۔ آپ کے باپ ابو طالب اور رسول اکرمؐ کے باپ عبداللہ حقیقی بھائی تھے۔ آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ رسول اکرمؐ نے ابو طالب سے

آپ کو مانگ لیا اور رسول اکرمؐ اور ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی نگرانی میں آپ نے تربیت حاصل کی۔ دو سال بعد جب آنحضرتؐ کو نبوت عطا ہوئی تو آپ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

نبوت کے تیرہویں سال جب رسول اللہ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو آپ کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ مشرکین مکہ رسول اللہؐ کے قتل کے قصد سے آئے تو اُن کی جگہ شیرِ خدا کو دیکھ کر ہاتھ ملتے ہوئے چلے گئے۔

اسلامی تاریخ میں شیرِ خدا کی یہ قربانی ایک نہایت اہم خدمت رکھتی ہے۔ اہل مکہ کے ہاتھوں سے نجات پاکر حضرت علیؓ نے وہ تمام امانتیں جو انھوں نے رسولؐ خدا کے پاس رکھوا دی تھیں۔ اُن کے مالکوں کو واپس کر دیں۔ اور مدینہ چلے گئے اور چند ماہ بعد سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہؓ یعنی رسول اللہ کی پیاری بیٹی سے آپ کا نکاح ہو گیا۔

حضرت علیؓ انتہا درجہ کے مستقل مزاج اور صابر تھے۔ مصائب اور آفات سے کبھی نہ گھبراتے تھے۔ خیبر کی جنگ میں جب کئی سپہ سالار فتح کی کوشش میں ناکام رہے تو آپ نے شجاعت اور جنگی مہارت سے صرف ایک دن میں خیبر کو فتح کر لیا۔ اپنے عہدِ خلافت میں جمل اور صفین کی لڑائیاں جو انتہائی سخت تھیں۔ پوری طمانیت سے لڑیں اور ذرا نہ گھبرائے۔

اخلاق کے اعتبار سے حضرت علیؓ کا درجہ بہت بلند تھا۔ صفین کی لڑائی میں امیر معاویہؓ کی سپاہ نے آپ کے لشکر پر دریا کا پانی بند کر دیا۔ آپ نے جب اس دریا پر قبضہ کیا اور امیر معاویہؓ کا لشکر دریا سے دور چلا گیا۔ تو شیرِ خدا نے دشمنوں پر پانی بند نہیں کیا بلکہ فرمایا۔
”میں پانی بند کر کے دشمن سے بدلہ لینا نہیں چاہتا۔“

دینی معاملات میں حضرت علیؓ کی فراست مسلمہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اپنے اپنے عہد خلافت میں اکثر آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

تدبر میں بھی آپ اپنی مثال تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایران پر لشکر کشی کی اور فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر خود لشکر کے ہمراہ ایران جانا چاہا۔ آپ نے سخت مخالفت کی اور فرمایا "مرکزِ خلافت سے آپ کا جدا ہونا ملک کے اندر اضطراب و انتشار پیدا کر دے گا۔" حضرت عمرؓ نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا اور ارادہ بدل دیا۔

حضرت علیؓ کی زندگی بہت سیدھی سادی تھی محنت مزدوری کرتے اور بوجھ اٹھاتے جب کھانے پینے کا سامان میسر آتا۔ آپ معمولی کھانا کھاتے اور آمدنی کا بڑا حصہ غربا و مساکین پر صرف کرتے۔ جود و سخا اور ایثار کا یہ حال تھا کہ فاقہ کی حالت میں محنت مشقت کر کے چند درہم کما کر لاتے کہ راستہ میں کوئی بھوکا مل جاتا اس کا پیٹ بھرتے۔ ننگا ہوتا اس کا بدن ڈھانکتے۔ دوسرا وقت بھی شیرِ خدا پر صاف گزر جاتا اور کھیل کا دانہ تک منہ میں نہ جاتا۔

علم و فضل اور فصاحت و بلاغت میں حضرت علیؓ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ نثر و نظم دونوں میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ کی تقریریں انتہا درجہ کی فصیح و بلیغ ہوتیں اور اتنی ہی دل نشین و مؤثر۔

حضرت علیؓ کی اولاد میں فصاحت اور بلاغت، صبر و استقامت اور مصائب پر سکون و طمانیت کی صفات سب سے زیادہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ملی تھیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ شیرِ خدا کی اکثر و بیشتر صفات بی بی زینبؓ میں تھیں۔

۸۔ بی بی زینبؓ کی ماں

اور اب اس محترم اور مقدس خاتون کی حیات پاک کے چند واقعات لکھے جاتے ہیں جو سیدۃ النساء یعنی عورتوں کی سردار تھیں۔ جن کے خون اور جن کے دودھ کی تاثیر نے زینبؓ کبریٰ میں حیرت انگیز انسانی اور نسوانی صفاتِ عالیہ جمع کر دی تھیں۔

بی بی زینبؓ کی ماں حضرت فاطمۃ الزہراؓ رسولِ اکرمؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور حضورِ اکرمؐ کو نبوت عطا ہونے سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ اس وقت قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے۔ حضرت فاطمہؓ بچپن سے سنجیدہ اور سادگی پسند تھیں کھیل و تفریح کے مشاغل سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ زیادہ وقت اپنی والدہ حضرت خدیجہ کے پاس گزارتیں اور گھر کے کاموں میں پوری دلچسپی لیتی تھیں۔

ہجرت کے وقت سیدۃ النساء کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد محرم ۲ھ میں سرورِ کائنات نے آپ کا عقد حضرت علیؓ سے کر دیا۔

حضرت علیؓ کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ فتح خیبر تک محنت مزدوری کرتے اور سامان لاکر حضرت فاطمہؓ کو دیدیتے تھے۔ آپ کھانا پکاکر سب کو کھلا دیتیں۔ اور سب کے بعد خود کھانے بیٹھتیں۔ کھانا کھاتے وقت کوئی سائل آجاتا تو کھانا اس کو دیدیتیں اور خود فاقہ سے رہتیں اور خدا کا شکر ادا کرتیں کہ انھیں اس قابل کیا کہ کسی بھوکے کا پیٹ بھر سکیں اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت علیؓ کو محنت مزدوری کا کوئی کام نہ ملتا اور گھر کا چولھا کئی کئی وقت سرد رہتا۔ آپ اپنا حال کسی پر ظاہر نہ کرتیں اور کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتیں۔ گھر کا تمام کام یعنی چکی پیسنا۔ روٹی پکانا۔ گھر کی صفائی۔ بچوں کی دیکھ بھال سب خود کرتی تھیں چکی پیستے پیستے آپ کی دونوں ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور چھالے تو پڑتے ہی رہتے تھے۔ عسرت کا یہ حال تھا کہ درجنوں پیوند لگی ہوئی چادر اوڑھ کر سوتی تھیں وہ اس قدر چھوٹی تھی کہ پاؤں ڈھانکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا اور سر ڈھانکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے!

سیدۃ النساء کے افلاس کا ایک درد انگیز واقعہ الزہرا میں یہ ہے کہ جب کلام اللہ میں عذاب دوزخ کے متعلق ایک آیت نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ شدت سے روئے۔ صحابہؓ اپنے آقا و مولا کو دیکھ کر خود بھی رو رہے تھے۔ آپ اس وقت چکی پیس رہی تھیں مفصل کیفیت سن کر اٹھیں اور ایک کملی اوڑھا جس میں بارہ پیوند تھے مسلمانوں کی آنکھوں میں

آنسو آ گئے۔ اور انھوں نے کہا "قیصر و کسریٰ ریشم و حریر کا لباس پہنیں اور پیغمبر آخرالزماں کی بیٹی کے لباس میں اتنے پیوند ہوں"۔ جب رسول اللہ کی خدمت میں سب حاضر ہوئے تو سیدۃ النساءؓ نے کہا "میں چکی پیستی جاتی تھی اور یہ آیت پڑھتی جاتی تھی۔ قسم ہے خدا کی پورے پانچ سال ہو گئے کہ میرے اور میرے خاوند کے پاس بکری کی کھال کے سوا کوئی چیز بچھانے کو نہیں ہے۔"

الزہراہی میں بی بی فاطمہ رضؓ کی خانہ داری کے متعلق حضرت علی رضؓ کا ایک بیان درج کیا گیا ہے کہ "مجھ پر اور فاطمہؓ پر آٹھ وقت سے فاقہ تھا کہ ایک شام کو اونٹ پر سے سامان ڈھونڈنے کا کام مجھے ملا جس کی اُجرت سوداگر نے ایک درم دیا۔ رات زیادہ آگئی تھی مشکل سے ایک دوکان سے جو خریدے اور جلدی جلدی گھر پہنچا۔ بی بی فاطمہؓ نے خندہ پیشانی سے وہ جو میری جھولی سے لئے۔ اسی وقت اُن کو پیسا اور روٹی پکاکر میرے آگے رکھی۔ جب میں سیر ہو چکا تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا بے شک رسول اللہ کا ارشاد درست ہے۔ فاطمہؓ بہترین عورتوں میں سے ہے۔"

آپ کے اخلاق کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کے پڑوسی شمعون یہودی سے جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا حضرت علی رضؓ کو بے حد اذیتیں پہنچیں۔ جب اس کی بیوی کا انتقال ہوا اور کوئی اس کی میت پر نہ آیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے غسل دے کر اس کی میت تیار کی۔

ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت علی رضؓ سے حضرت فاطمہ رضؓ ناراض ہو گئیں اور رنج و غم میں رسولؐ اللہ کے پاس پہنچیں۔ حضرت علی رضؓ بھی آپ کے پیچھے پیچھے گئے اور ایک گوشہ میں کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ نے فرمایا "بیٹی! وہ کونسے میاں بیوی ہیں جن میں کبھی رنجش نہ ہو۔ اور یہ کیا ضروری ہے کہ خاوند تمام کام بیوی کی منشاء کے مطابق کرے اور بیوی سے کچھ نہ کہے"۔ حضرت علی رضؓ کا بیان ہے کہ میں اس قدر متاثر ہوا کہ پھر کبھی کوئی

سخت بات فاطمہ رضؓ سے نہیں کہی۔"

بی بی فاطمہ رضؓ کے انتقال کے بعد حضرت علی رضؓ سے کسی نے سوال کیا کہ "بنت الرسولؐ کیسی بیوی تھیں"۔ تو حضرت علی رضؓ نے جواب دیا "وہ پھول جس کی خوشبو مرجھا جانے کے بعد بھی میرے دماغ کو معطر کر رہی ہے۔"

علم و فضل میں بھی سیدۃ النساء کا درجہ بہت بلند ہے۔ وہ اکثر مسجد نبویؐ میں وعظ فرماتی تھیں۔ ملّا حسن شیرانی کا قول ہے کہ "اکثر ان کی گفتگو کا ماخذ کلام اللہ ہوتا تھا"۔

ایک مرتبہ رسول اللہؐ کی زندگی میں حضرت علی رضؓ نے نکاح ثانی کا قصد کیا۔ بی بی فاطمۃ الزہرا رضؓ خاموش ہوگئیں۔ مگر رسول اللہؐ کو علم ہوا تو فرمایا "علی رضؓ میری بیٹی کو طلاق دے کر ابوجہل کی بیٹی سے عقد کر سکتے ہیں۔ فاطمہ رضؓ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس کو اس نے اذیت دی۔ اس نے مجھے اذیت پہنچائی"۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رسول اکرمؐ کو سیدۃ النساء سے کس قدر محبت تھی۔ جب آپ سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدۃ النساء سے رخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے آپ کے پاس آتے۔

رسول اکرمؐ نے حضرت فاطمہ رضؓ کی نسبت سے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔

"تمہاری تقلید کے لئے اے عورتوں! تمام دنیا کی عورتوں میں مریم عمران کی بیٹی۔ خدیجہ خویلد کی بیٹی اور فاطمہ رضؓ محمدؐ کی بیٹی اور آسیہ فرعون کی بیوی کافی ہیں"

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا "فاطمہ رضؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں"۔

صداقت اور راست گوئی میں حضرت فاطمہ رضؓ کا کیا درجہ تھا۔ اس کا اندازہ حضرت عائشہ رضؓ کے اس قول سے ہوتا ہے "میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو راست گو نہیں دیکھا۔ البتہ ان کے والد حضورؐ اس سے مستثنیٰ ہیں"۔

سیّدۃ النساء صورت اور سیرت میں رسول اللہؐ سے بے حد مشابہ تھیں۔

سلہ الزہرا۔

حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ "رفتار و گفتار میں بہترین نمونہ حضورؐ کا فاطمہ رضؓ تھیں"۔

جناب فاطمہ رضؓ کے صبر، ایثار اور دردمندی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک اعرابی سرورِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "محمدؐ میں بھوکا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "کون ہے جو اس اعرابی کے کھانے کا انتظام کردے"۔ سلمان رضؓ فارسی نے عرض کیا "یہ خدمت میں انجام دوں گا"۔ یہ کہہ کر سلمان رضؓ فارسی اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ اور مسلمانوں کے گھروں پہ جا جاکر کھانے کے لئے کہا۔ مگر کسی کے پاس سے کچھ نہ نکلا۔ آخر حضرت علی رضؓ کے مکان پر پہنچے۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے پوچھا "کون ہے؟" سلمان رضؓ فارسی نے واقعہ بیان کیا۔ جناب فاطمہ رضؓ نے فرمایا "سلمان رضؓ! خدا کی قسم۔ آج تیسرا روز ہے کھیل کا دانہ تک اُڑ کر ہمارے منہ میں نہیں گیا۔ لیکن سائل کا سوال میں رد نہیں کرسکتی۔ اس لئے تم میری یہ چادر لو اور شمعون یہودی کے پاس لے جاکر کہو کہ "فاطمہ رضؓ محمدؐ کی بیٹی نے یہ چادر بھیجی ہے۔ اسے رہن رکھ کر تھوڑی سی جنس قرض دیدے"۔ حضرت سلمان رضؓ شمعون کے پاس گئے اور واقعہ دُہرایا۔ شمعون پہ ایک کیفیت طاری ہوئی اور اس نے کہا "خدا کی قسم! یہی ہیں وہ لوگ جن کی خبریں ہمارے پیغمبر موسےٰ نے توراۃ میں دی ہیں۔ تم گواہ رہنا کہ میں فاطمہ رضؓ کے باپ محمدؐ پر ایمان لاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر شمعون نے چادر واپس کردی اور تھوڑا سا غلّہ دیدیا۔ سلمان رضؓ نے واقعہ سُنا کر غلّہ جناب سیّدہ کو دیا۔ انھوں نے غلّہ کو پیسا۔ آٹا گوندھا۔ اور روٹیاں پکا کر سلمان رضؓ کو دیدیں کہ اعرابی کو کھلا دو۔

حضرت سلمان رضؓ نے کہا "تھوڑی سی روٹی بچّوں کے لئے رکھ لیجئے۔ کئی وقت کے بھوکے ہیں"۔ فرمایا "جو چیز میں خدا کی راہ میں دے چکی اس میں سے ذرہ برابر بھی میرے لئے جائز نہیں"۔

سلّٰے الزہرا۔

۹۔ بی بی زینب کے بھائی اور بہن

حضرت علی رضؓ اور فاطمۃ الزہرا کے چھ بچے ہوئے۔ حسنؓ حسینؓ۔ زینب۔ ام کلثوم رقیہ اور محسن۔ محسن اور رقیہ نے عہد طفلی میں انتقال کیا۔ بی بی زینب کی پیدائش کے بیان سے قبل مناسب ہے کہ ان کے دونوں بڑے بھائیوں بلکہ ام کلثوم کا بھی مختصر حال لکھ دیا جائے۔

امام حسنؓ۔ رمضان ۳ھ میں بمقام مدینہ پیدا ہوئے۔ رسول اکرمؐ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ شجاعت کا یہ حال تھا کہ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت سے بعض مسلمان خوش نہ تھے اور جب انھوں نے ایک مفسد مروان کو ان کے حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ اور حضرت عثمان نے رحم وکرم سے اس مطالبہ کو منظور نہ کیا۔ دو مسلمان اپنے خلیفہ سے انتقام لینے پر تل گئے تو امام حسنؓ حضرت عثمان رضؓ کو گھر پہنچا کر آئے۔ رسول اللہؐ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ "میرا یہ بیٹا شریف اور کریم ہے۔ اور خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا" رسالتمآب کا یہ ارشاد ۴۱ھ میں حرف بحرف پورا ہوا۔ قوت برداشت کی یہ کیفیت تھی کہ امیر معاویہؓ کے خلاف جنگ میں اپنے خیمہ کے اندر مصلے پر بیٹھے عبادت میں مصروف تھے کہ خارجیوں کا ایک گروہ اندر گھس آیا۔ آپ کا مصلا گھسیٹ لیا جسم کی چادر کھینچ لی۔ اور ایک شخص نے آپ کی ران پر نیزہ مارا جس سے اس قدر خون بہا کہ زمین سرخ ہو گئی۔ مگر آپ نے کسی کو کچھ نہ کہا اور پھر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ عفو و درگزر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جعدہ نے آپ کو زہر دیا۔ دل اور جگر کے ٹکڑے رہے اور خون کی کلیاں کر رہے تھے۔ امام حسینؓ اور بی بی زینبؓ نے کتنا ہی پوچھا کہ قاتل کا نام بتایئے مگر نہ بتایا۔

امام حسینؓ۔ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ سرور کائنات کو ان سے بھی حد درجہ کی محبت تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اوران دونوں کے عہد خلافت میں صحابہ نے بھی آپ کا احترام کیا حضرت عثمان رض نے آپ کے صبر اور تحمل۔ بُردباری اور شجاعت کی بارہا تعریف کی۔ آپ کی حق گوئی ۔معاملہ فہمی نیز لیف النفسی سے ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رض اس حد تک متاثر تھیں کہ جب امیر معاویہ رض نے مدینہ میں ایک جلسہ کر کے بیعت کی کوشش کی۔ امام حسین رض نے انکار کر دیا اور امیر معاویہ کے ایک دستہ فوج نے تلواریں نکال لیں۔ تو ام المؤمنین نے مسجد نبوی میں آ کر امیر معاویہ رض کو بُلایا اور فرمایا "سُنا ہے تو حسین رض کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا ہے۔ ابھی تو میں زندہ ہوں۔ اور تیرا سارا زور دم بھر میں ڈھا دوں گی۔"

حضرت علی رض کے زمانہ خلافت میں امام حسن رض کے ساتھ آپ نے بھی باپ کا ہاتھ بڑی خوبی سے بٹایا۔ امیر معاویہ رض کے بعد یزید تخت حکومت پر بیٹھا۔ اور آپ سے بیعت لینی چاہی۔ تو چونکہ اس کی خلافت آپ کی اور آپ کی بہن بی بی زینب کی رائے میں مفاد اسلام کے خلاف تھی۔ انکار قطعی کر دیا۔ اور اس سلسلہ میں ہنسی خوشی کربلا کے میدان میں شہید ہوئے۔ امام حسین نہایت متواضع۔ سخی۔ نڈر۔ متقی اور پرہیزگار تھے۔

اُم کلثوم بی بی زینب کی چھوٹی بہن نہایت سنجیدہ، عبادت گزار، سمجھ دار، محنتی اور ہمدرد خاتون تھیں۔ ان کے نکاح کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ ابن قتیبہ، ابن حبان، طبری، شبلی وغیرہ کہتے ہیں کہ ام کلثوم کا نکاح ۱۷ھ میں حضرت عمر رض سے ہوا تھا جو اس وقت خلیفہ تھے۔ مگر بعض مؤرخین اسے تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ۱۷ھ میں ام کلثوم ۴ سال کی تھیں اور اس کم سنی میں ان کی شادی نہ ہو سکتی تھی۔ چونکہ حضرت عمر رض کی ایک بیوی ام کلثوم بنت راہب بھی تھیں اس لئے یہ غلط فہمی ہوئی۔ ام کلثوم بنت علی رض کا نکاح محمد بن جعفر طیار سے ہوا تھا۔ شمس التواریخ کا مصنف طبری، ابن حبان وغیرہ کا ہمنوا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ زید بن عمر خطاب ام کلثوم کے بطن سے تھے حضرت عمر رض کی شہادت کے بعد ام کلثوم نے عون بن جعفر سے اور ان کی وفات کے بعد محمد بن جعفر سے نکاح کیا۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا مگر اس کے بعد یہ مؤرخ نہایت لغو روایات لکھ رہا ہے کہ محمد بن جعفر کے بعد عبداللہ بن جعفر سے ام کلثوم نے نکاح کیا حالانکہ شریعت اسلامی کی رو سے دو بہنیں ایک وقت میں کسی شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں اور تاریخ بتا رہی ہے کہ ام کلثوم کا انتقال بی بی زینب سے پہلے ہوا۔

سلہ الزہرا

باب دوسرا

بچپن

۵ھ سے ۱۷ھ تک

۱۰۔ پیدائش

بی بی زینبؑ کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں مختلف بیانات ہیں۔
مصنف بحر المصائب لکھتا ہے کہ بی بی زینبؑ پہلی یا اوائل شعبان ۶ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ یعنی امام حسینؑ کی ولادت کے دو سال بعد مصنف طراز المذہب کا بیان ہے کہ رمضان ۹ھ میں چند روز باقی تھے کہ بی بی زینب پیدا ہوئیں۔ ان دنوں میں رسول اللہ۔ تبوک کی لڑائی میں تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت علی رض مدینہ میں موجود تھے مصنف خصائص زینبیہ کی رائے میں طراز المذہب کے مصنف کا یہ بیان محض قیاسی اور واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ ۱۱ھ ہجری میں سرور عالم نے رحلت فرمائی۔ اور آپ کی ولادت کے وقت جناب سیدہ کے ہاں حضرت محسن کے پیدا

ہونے میں چند ماہ باقی تھے اور ام کلثوم گود میں تھیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ جناب سیدہ کے ہاں اور کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ طراز المذہب کے مصنف کا خیال ہے۔ جب بھی بی بی زینبؑ کی پیدائش کا سال ۹ھ ہجری قرار دینا قطعاً غلط ہے۔ اس لئے کہ بی بی زینبؑ رسول اکرم کی زندگی میں خاصی ہوشیار تھیں۔ لہذا مصنف طراز المذہب کے مقابلہ میں مصنف بحر المصائب کا بیان یعنی ۶ھ قرین قیاس ہے۔ مورخین کے درمیان اسی قسم کا اختلاف امام حسینؑ کی پیدائش کے سنین میں بھی ہے یعنی بعض کہتے ہیں کہ ۴ شعبان ۴ھ کو اور بعض کی رائے ہے کہ آخر ربیع الاول ۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر امام حسینؑ کا سن پیدائش ۳ھ درست ہے تو بی بی زینب کی پیدائش کا سن زیادہ سے زیادہ ۵ھ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ۹ھ ام کلثوم کی پیدائش کا صحیح سن ہے۔ اور اگر امام حسین کا سن پیدائش ۴ھ تھا تو حضرت زینب ۵ھ یا ۶ھ میں پیدا ہوئی ہوں گی۔ بعض مورخین نے جناب سیدہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ بی بی زینبؑ ۵ جمادی الاول ۵ھ کو پیدا ہوئی تھیں۔ اور یہی قرین قیاس بھی ہے۔ بہر حال بی بی زینبؑ مدینہ منورہ میں ۵ھ یا ۶ھ میں پیدا ہوئیں۔

مورخ ایران سید نور الدین کہتا ہے کہ جب بی بی زینبؑ پیدا ہوئیں تو رسولؐ اللہ نے انھیں گود میں لیا اور خوب روئے۔ یہی مورخ بی بی زینبؑ کے یہ الفاظ بیان کرتا ہے کہ "جب میں پیدا ہوئی تو رسولؐ اللہ کو آگاہ کیا گیا۔ آپ تشریف لائے اور والدہ معظمہ سے فرمایا "بیٹی اپنی نومولود بچی کو مجھے دو"۔ مجھے خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں میں مجھ کو لیا۔ سینہ سے لگایا۔ میرے رخسار پر اپنا رخسار مبارک رکھا۔ یکایک آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ میری ماں جناب سیدہ نے دریافت کیا "بابا جان آپ کیوں روتے ہیں"؟ فرمایا "بیٹی میرے اور تیرے بعد

یہ بچی سخت بلاؤں میں مبتلا ہوگی۔ اور سخت مصائب کا اسے سامنا کرنا پڑے گا۔"

نام اور کنیت

بی بی زینبؓ کا نام ان کی پیدائش کے کئی روز بعد رکھا گیا۔ جب دو یا تین دن گزر گئے۔ تو جناب سیدہ نے شیر خدا سے کہا کہ "بابا جان مدینہ میں تشریف نہیں رکھتے۔ لڑکی کا نام آپ تجویز کر دیں۔" حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ" نبیؐ کی بیٹی! نام تجویز کرنے کا اختیار تمہارے والد ماجد کو ہے۔ چند روز صبر کرو وہ آجائیں گے۔ اور جو نام مناسب سمجھیں گے تجویز فرما دیں گے" تین روز بعد رسول اکرمؐ تشریف لے آئے اور حسب معمول سب سے پہلے جناب سیدہ کے ہاں آئے۔ بچی کو گود میں لیا۔ اور بہت دیر تک روتے رہے۔ شیر خدا نے عرض کیا کہ "بچی کا نام تجویز فرما دیجئے۔" رسول اللہؐ نے زینب نام رکھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ" یہ بچی خدیجۃ الکبریٰ کی مانند ہے۔"

حضرت زینب کی کنیت میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین نے اُم الحسن بتائی۔ اور بعض نے اُمّ کلثوم۔ جو تقاریر اور مراثی اُم کلثوم کی طرف منسوب ہیں وہ سب حضرت زینب کے بتائے جاتے ہیں اور یہی کنیت یعنی اُم کلثوم مؤرخین کے نزدیک معتبر ہے۔ جب بی بی زینبؓ کربلا کے مصائب میں مبتلا ہوئیں۔ اور ہر وقت غمگین رہنے لگیں تو ان کی کنیت اُم المصائب بھی ہوگئی۔

۱۱۔ تربیت

ایثار اور قربانی، فراست اور دانش مندی، استقامت اور استقلال صداقت اور جرأت، تواضع اور مہمان نوازی۔ زہد و اتقا۔ عبادت و ریاضت خلق و کرم، سادگی و پاکیزگی۔ ان تمام صفات کا بی بی زینبؓ میں جمع ہو جانا نہ صرف اثر تھا ان کے بزرگوں کے خون کا جو ان کی رگوں میں دوڑ رہا بلکہ فیض تھا۔

اس ماحول اور صحبت کا جس میں اُنھوں نے آنکھ کھولی۔ اور بچپن اور کنوارپنہ گزرا۔ پھر سونے پر سہاگہ اس محترم اور مقدس ماں کی تربیت تھی جس نے غیروں تک کو جانور سے انسان۔ پیتل سے سونا۔ اور پتھر سے ہیرا بنا دیا۔ سیدۃ النساء بی بی زینب کو لوری دے کر سُلاتی تھیں تو کلام اللہ کی آیات سے۔ بچوں میں لڑائی ہوتی اور اُن کو سمجھاتی اور ڈراتی تھیں تو آیات کلام مجید سے۔

امام حسینؑ چھ سال کے اور بی بی زینبؑ پانچ سال کی تھیں کہ بہن بھائی میں کسی بات پر لڑائی ہو گئی۔ بی بی زینبؑ نے کلام اللہ کی آیات سے انھیں سمجھایا کہ انھوں نے آپس میں لڑ کر خدا کو ناراض کر دیا۔ دونوں بچے ڈر گئے۔ اور جب انھوں نے خدا سے معافی مانگ لی اور عہد کیا کہ آیندہ نہ لڑیں گے تو ماں نے دونوں کو سینہ سے چمٹا لیا۔

صاحب علل الشرائع کا بیان ہے کہ "ایک دن بی بی زینبؑ قرآن مجید پڑھ رہی تھیں۔ استغراق کا یہ حال تھا کہ سر سے ردا اتر گئی اور اُن کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ جناب سیدہ کی نظر پڑی تو سر ڈھانکا۔ اور فرمایا "بیٹی! خدا کا مقدس کلام اور ننگے سر" ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے واحد کی عظمت اور اس کا خوف بی بی زینبؑ کے رگ و پے میں اُن کی محترم ماں نے بٹھا دیا تھا۔

افسوس ہے کہ ماں کا سایہ بی بی زینبؑ کے سر سے جلد اُٹھ گیا۔ اُن کی عمر چھ یا ساڑھے چھ سال کی تھی کہ سیدۃ النساء نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ لیکن اس چھوٹی سی عمر میں ہی انھوں نے ماں کی تربیت کے طفیل بہت کچھ حاصل کر لیا۔ دن رات دیکھتی تھیں کہ چکی پیستے پیستے ماں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے مگر حرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ آیا۔ متواتر اور مسلسل کئی وقت کے فاقہ کے بعد باپ کو کچھ مزدوری مل جاتی ہے۔ جَو لاتے ہیں۔ اور ماں جو پیس، آٹا گوندھ روٹی پکا دسترخوان بچھاتی ہے کہ سائل دروازہ پر صدا دیتا ہے اور اللہ کی نیک بندی سائل کا پیٹ بھر کر خدا کا شکر ادا کرتی ہے

وقت کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں بسر ہوتا ہے۔ مگر باپ کو کبھی کسی قسم کی تکلیف ماں کی ذات سے نہیں پہنچتی۔ گھر کا چھوٹے سے چھوٹا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتی ہیں۔ پہننے کے کپڑوں میں درجنوں پیوند ہیں اور اوڑھنے کو کپڑا میسر نہیں مگر پڑوسن کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ اور خود تکلیف اٹھا کر اسے راحت پہنچاتی ہیں۔ چھ سات سال کی عمر، ناسمجھی کا زمانہ ہے۔ مگر صاحب نظر اور صاحب دل بیٹی کو اس عمر میں ماں کی تربیت پارس بنا دیتی ہے۔

سیدۃ النساء کی رحلت کے بعد بی بی زینبؓ کی تربیت پر پیغمبر خدا نے پوری توجہ فرمائی۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ فاطمہ زہرا رض کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت علی رض نے رسول اللہ صلعم کی بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ کی بیٹی حضرت امامہ سے نکاح کیا۔ اور جناب فاطمہ رض کے بعد جناب امامہؓ نے بی بی زینبؓ کی تربیت میں حصہ لیا۔ مگر بعض مورخین اسے تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت بی بی امامہ کی عمر بارہ سال تھی۔ اور حضرت علی رض نے دوسرا نکاح ام البنین سے کیا اور انھوں نے ہی جناب سیدہ کے بعد بی بی زینبؓ کی تربیت کی۔ حضرت علی رض نے امامہ سے قبل دو نکاح اور کئے تھے یعنی تیسرا لیلیٰ بنت مسعود تمیمی سے اور چوتھا اسما بنت عمیس سے۔

بی بی امامہ بنت ابی العاص (رسول اللہ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کی بیٹی) سے پانچواں نکاح تھا۔ حضرت ام البنین بنت حرام نہایت صالح۔ دین دار۔ عبادت گزار سادگی پسند۔ رحم دل۔ ہمدرد اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ انھوں نے حضرت علی رض کے گھر میں داخل ہو کر بی بی زینبؓ کی تربیت میں انتہائی شفقت اور محبت سے حصہ لیا اور انھیں خانہ داری میں جو دلچسپی تھی۔ اس کی حوصلہ افزائی کی۔

اگر یہ بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ جناب سیدہ کے بعد بی بی امامہ سے حضرت

علیؓ نے دوسرا نکاح کیا تو بی بی امامہ کے سایۂ عاطفت میں بھی حضرت زینب کی تربیت بہترین ہوئی ہو گی۔ کیونکہ بی بی امامہ بہت دردمند۔ خداترس۔ دین دار اور نیک خاتون تھیں اور رسول اللہ کو ان سے بھی بہت محبت تھی۔

۱۲۔ سرورِ کائناتؐ کی شفقت

تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سرورِ کائناتؐ کو اپنے بچوں میں سب سے زیادہ محبت جناب سیدہ سے تھی۔ جب حضور اکرمؐ کسی جنگ یا سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں جناب سیدہ سے ملتے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے جناب سیدہ کے ہاں تشریف لاتے۔ رسولِ اکرمؐ کی محبت جناب سیدہ کے ساتھ صرف اُن کی ذات تک محدود نہ تھی۔ ان کی اولاد بھی نانا کے کلیجہ کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا تارا تھی۔ اور جناب زینب سے رسول اکرمؐ کو خاص شغف تھا۔ بی بی زینب کی پیدائش کے وقت رسول اللہ مدینہ سے باہر سفر پر گئے ہوئے تھے۔ پیدائش کا چوتھا روز تھا کہ واپس تشریف لائے۔ اور شیرِ خدا نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ کی صاحبزادی کو اللہ تعالیٰ نے لڑکی مرحمت فرمائی ہے۔ اس کا نام تجویز فرمائیے"۔ نانا نے نواسی کو گود میں لے کر سینہ سے لگایا۔ اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا "اس کا نام زینب رکھو"۔ اس کے بعد یہ فرمایا "یہ لڑکی خدیجۃ الکبریٰ کی مانند ہے"۔

جناب زینب کو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے مشابہت دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ حضور اکرمؐ کے ان الفاظ سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔

"خدا تعالیٰ نے چار عورتوں کو برگزیدہ کہا ہے۔ ایک مریم بنت عمران دوسری آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) تیسری خدیجہؓ بنت خویلد۔ چوتھی فاطمہؓ بنت محمدؐ"

بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ سجدہ میں ہیں اور بی بی زینبؓ دوش مبارک پر سوار ہوگئیں۔ دو تین سال کی بچی کو کیا معلوم کہ نماز کیا چیز ہے؟ اور یہ کندھے کس بے مثل انسان کے ہیں۔ وہ گھوڑا بنائے ہوئے سوار ہیں۔ اور اس لئے کہ نواسی کی دل شکنی نہ ہو۔ رسولِ اکرمؐ سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے۔

سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ نے آخری حج کیا تھا۔ اس حج میں جناب زینب رسول اللہ کے ساتھ تھیں اور یہ بی بی زینبؓ کا ایامِ طفلی میں پہلا حج تھا۔

سنہ ۱۱ھ ماہ ربیع الاول میں جب سرورِ کائنات کا وقتِ رحلت قریب آیا۔ تو جناب سیدہ سے فرمایا "اپنے بچوں کو بلاؤ" جناب سیدہ حسنؓ حسینؓ زینبؓ اور اُمِ کلثوم کو حضورؐ کے پاس لے گئیں۔ رسول اللہ نے ان کو قریب بٹھایا۔ نانا کو سخت کرب و بے چینی میں دیکھ کر بچے رونے لگے اور بچوں کو دیکھ کر بڑوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ بی بی زینبؓ نے سینہ پر سر رکھ دیا۔ رسول اللہ نے انھیں چمٹا لیا۔ شفقت کی نظر سے دیکھا سر پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو جناب زینبؓ سے کس درجے محبت تھی +

۱۳۔ رسولِ اکرمؐ کی رحلت

ہجرت کا دسواں سال تھا کہ رسول اللہ نے آخری حج کیا۔ اس حج میں بی بی زینبؓ اپنے نانا کے ساتھ تھیں۔ یہ حج حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اور اس میں دین اسلام کی تکمیل کا اعلان کیا گیا تھا۔

حجۃ الوداع سے واپس آ کر چند روز ہی گزرے تھے کہ سرورِ عالمؐ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور بجائے بہتر ہونے کے روز بروز تکالیف میں اضافہ ہوتا رہا۔ علالت درد سر سے شروع

ہوئی۔ دوسرے روز آپ بقیع کے قبرستان سے کسی میّت کی تدفین میں شرکت کر کے
واپس آئے تو دردِ سر شدت سے تھا۔ اور اس کے ساتھ بخار بھی تھا تیسرے روز شدید درد
کے ساتھ بخار بھی تیز تھا۔ اور اب حالت ایسی نہ تھی کہ حجرے سے باہر تشریف لے جا سکیں
علالت یوماً فیوماً ترقی کر رہی تھی اور بہتری کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ بخار کی شدّت
سے اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ چلنا بھی مشکل تھا یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ کے چچا ابن عباسؓ
نے حضرت علیؓ سے کہا " آثار اچھے نہیں ہیں۔ مناسب ہوگا کہ تم رسول اللہ سے دریافت
کرو کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا" حضرت علیؓ رسول اللہ کی علالت سے بہت پریشان
اور بے حد مغموم تھے۔ ان کی پرورش رسول اللہ نے کی تھی۔ اور ان کو جو دلی تعلق اور
عشق سرورِ کائنات سے تھا۔ اس نے انھیں بے چین کر رکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں
آنسو آ گئے۔ جواب دیا "میں کس دل سے اللہ کے رسول سے یہ گفتگو کروں"

جب افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے فرمایا۔
" میں اس قابل نہیں ہوں کہ حجرہ سے باہر جا سکوں اپنے باپ سے کہو کہ وہ میری
جگہ امامت کریں اور نماز پڑھائیں" ام المومنین نے عرض کیا " میرے باپ بہت
کمزور طبیعت کے انسان ہیں۔ وہ کس دل سے آپ کی جگہ امامت کر سکیں گے کسی اور
کے لئے ارشاد فرمائیے"

رسول اللہ نے اصرار کیا کہ نہیں اُن سے کہو وہ نماز پڑھائیں چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے
پانچ مرتبہ نماز پڑھائی۔ آخری وقت امامت کر رہے تھے کہ رسول اکرم کی حالت کچھ سنبھلی
اور اسی حالت میں حضرت علی رضؓ کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے۔ رسول اکرم کی آواز
سُن کر نمازی کھانسنے لگے لیکن حضورؐ نے آگے بڑھ کر ابوبکر صدیقؓ کی پشت پر ہاتھ رکھا۔
تاکہ وہ بدستور نماز پڑھاتے رہیں۔ خود ان کے پیچھے دائیں طرف کھڑے ہوئے مگر بخار تیز
تھا۔ بیٹھ کر نماز پڑھی۔ یہ آخری نماز تھی۔ جو رسالتمآب نے مسجد میں ادا کی۔

مسجد سے گھر واپس تشریف لائے تو بخار او رتیز تھا۔ اور اب اللہ کے رسولؐ کی حالت لمحہ بہ لمحہ خطرناک ہو رہی تھی۔ بخار کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ اس سے پہلے میں نے اس شدت کا بخار کبھی نہ دیکھا تھا۔ جسم مبارک پر چادر پڑی ہوئی تھی مگر اس پر ہاتھ رکھنے سے جھلسا جاتا تھا۔

سرورِ عالمؐ کی علالت سے سیدۃ النساء کی کیا کیفیت تھی۔ الفاظ میں ادا کرنی مشکل ہے۔ وہ دیکھتی تھیں کہ درد سر نے جان پر بنا رکھی ہے۔ اور بخار کا یہ عالم ہے کہ ہاتھ نہیں رکھا جاتا۔ غشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ مگر وہ اپنے مقدس باپ کی ان جسمانی تکالیف کو کسی طرح کم نہ کر سکتی تھیں۔ آنکھیں حسرت اور بے کسی کے ساتھ یہ تکالیف دیکھتیں اور دل کہتا کہ باپ کی شفقت جس نے ماں کی محبت دل سے بھلا دی اب ختم ہونے والی ہے اور دنیا سے وہ انسان رخصت ہوتا ہے۔ فاطمہؓ اس مقدس سایہ سے محروم ہوتی ہے جو یتیموں۔ رانڈوں، بے کسوں، بے بسوں، محتاجوں اور اپاہجوں کا والی اور زخمی دلوں کا پھاہا تھا۔ مچھلی کی طرح تڑپتیں کبھی قدموں میں لوٹتیں، کبھی چہرۂ اقدس کی بلائیں لیتیں، کبھی بے اختیار ہو کر چمٹ جاتیں۔ مگر ان کی اس حالت سے قدرت کے قانون میں فرق نہ آسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے آخری نبیؐ سے جو کام لینے تھے وہ لئے جا چکے تھے۔ بی بی فاطمہؓ اپنے مقدس باپ کی مفارقت ابدی کے خیال سے بے چین اور بے تاب ہو کر ان متبرک قدموں پر نثار ہو رہی تھیں کہ رسالتمآبؐ نے آنکھ کھولی اور بیٹی کا اضطراب دیکھ کر فرمایا: "اہلبیت میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملو گی" ان الفاظ سے تسکین ہوئی مگر آنسو نہ تھمے۔ دل میں کھلبلی مچی ہوئی تھی اور دماغ کام نہ کرتا تھا کہ کیا کریں۔ کیا نہ کریں۔ حضرت علیؓ خود بے حد پریشان تھے۔ تاہم انھوں نے تسکین و دلاسے کی انتہائی کوشش کی تو ان کی طرف دیکھ کر مسکرائیں اور کہا "علیؓ کیا کہہ رہے ہو" فاطمہؓ باپ سے بچھڑ رہی ہے" یہ حیات رسولؐ کا آخری دن تھا۔ حسنینؓ سامنے اور زینبؓ برابر بیٹھی رو رہی تھیں کہ

باپ کے چہرے کو غور سے دیکھا اور یہ کہہ کر بی بی زینبؓ سے لپٹ گئیں "خدا کے رسولؐ کو میں اس طرح دنیا سے رخصت کر رہی ہوں کہ ہمارے ہاں جلانے کو تیل بھی نہیں ہے"۔

اب رسالتمآب کا دم واپسیں تھا۔ نزع کی تکلیف اس قدر سخت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ "میں نے سکرات کی ایسی تکلیف کبھی نہیں دیکھی"۔ وہ دل جو بچوں کی معمولی سی تکلیف پر بلبلا جاتا تھا اُسے خبر نہ تھی کہ بچوں کی روتے روتے آنکھیں سوجھ گئی ہیں۔ اور عاشقِ زار بیٹی کی حالت مُردے سے بدتر ہے۔ وہ دماغ جس نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اور حیوانوں کو انسان بنا گیا۔ اب کام کرنے کے قابل نہ تھا۔

ربیع الاول ۱۱ھ کی ۱۲ تاریخ اور پیر کا دن تھا کہ رسالتمآب نے رحلت فرمائی اور بی بی زینبؓ نانا کی شفقت سے محروم ہوگئیں۔

۱۴۔ سیّدۃ النساء کی وفات

آسمان کی آنکھوں نے سطحِ زمین پر، جنت سے نکلنے کے بعد آدم علیہ السلام کے آنسو بھی دیکھے اور یوسفؑ جیسے محبوب بیٹے کے بچھڑ جانے پر گریہ یعقوبؑ بھی مگر محمدؐ رسول اللہ کی بیٹی کی آنکھوں سے فراقِ پدری میں دن اور رات آنسوؤں کی جو لڑیاں گر رہی ہیں اور جو حالت ہوئی ہے۔ اُس سے پہلے اور اس کے بعد کسی بیٹی کی ایسی کیفیت نہیں دیکھی گئی کئی وقت اور کئی کئی دن صاف نکل جاتے اور کھیل کا دانہ تک منہ میں نہ جاتا، درجنوں پیوند لگے ہوئے کپڑے ساری عمر پہنے تھے مگر اب دس دس پندرہ پندرہ دن ہو جاتے اور کپڑے بدلنے کا ہوش نہ تھا۔ کیسا کھانا پینا اور کس کا پہننا اوڑھنا وہ تھیں اور شفقتِ پدری کی یاد۔ کہاں کا ہنسنا بولنا اور کیسا دنیاوی معاملات میں حصہ لینا۔ وہ تھیں اور باپ کی مفارقت کا خیال، دنیا آنکھوں میں اندھیر ہوگئی۔ دل پر برمے لگتے کلیجہ پر چھریاں چلتیں۔ دن رات مزارِ اقدس پر زار و قطار روتی رہتیں۔ شوہر اور بچے

بھرے آستے تو آجاتیں مگر دماغ میں سمایا ہوا تھا خیال تو باپ کا اور دل میں بسی ہوئی تھی یاد تو باپ کی۔ ایک روز جب بی بی زینب ساتھ تھیں مزار اقدس پر بلبلا بلبلا اور تڑپ تڑپ کر گریہ وزاری کر رہی تھیں کہ نیند آگئی۔ دیکھتی کیا ہیں کہ رسول اکرمؐ تشریف فرما ہیں۔ اور فرقت زدہ بیٹی کے چہرے سے خاک پونچھ رہے ہیں۔ اور پیشانی کو بوسہ دے کر فرماتے ہیں:" فاطمہ رضا خوش ہو کہ جلد مجھ سے ملے گی۔" آنکھ کھلی تو حالت اور خراب ہوئی۔ وضو کیا۔ اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد دعا کی کہ دلوں کا حال جاننے والے بادشاہ تیری ادنیٰ لونڈی فاطمہ کی جو کیفیت ہے تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ مجھے میرے باپ سے جلد ملا دے۔[1]

رسالتمآبؐ کی رحلت کو تھوڑی ہی مدت ہوئی تھی۔ ایک شب جب کہ دو دن کا فاقہ تھا نماز پڑھ رہی تھیں کہ چکر آیا زور سے گریں اور بے ہوش ہوگئیں۔ یہ علالت کی ابتداء تھی اور اب یہ کیفیت تھی کہ زیادہ دیر تک کھڑا رہنا یا زیادہ دور تک چلنا تکلیف دہ تھا مزار اقدس پر بھی اب کم جاتی تھیں مگر طبیعت روز بروز گر رہی تھی۔ حضرت علی رضا اور بچوں نے غم غلط کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر دل کی لگی میں فرق نہ آتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک بیوی ایک ماں ایک گھر والی اور اللہ کی ایک نیک بندی کی حیثیتوں سے وہ اس حالت میں بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں رہیں۔ مگر یہ صدمہ بجائے کم ہونے کے دن بدن اندر ہی اندر انھیں گھلاتا رہا۔ بخار کی شدت میں ایک دن عصر سے عشا تک مزار اقدس کے پائنتی بے ہوش پڑی رہیں، آدھی رات گئے شیر خدا ادھر پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ روضۂ اطہر سے چمٹی ہوئی ہیں۔ جسم مبارک اور کپڑے خاک میں اٹے ہیں اور زبان پر باپ کا نام ہے۔ شیر خدا نے کہا" اگر رسول اللہؐ زندہ ہوتے تو اس قدر تیز بخار میں تمھاری یہ کیفیت دیکھ کر خوش نہ ہوتے۔" جواب دیا" آج پہلی رات

---

[1] الزہرا ص ۵۵ سیدہ کا لال ۔ ۲۱

ہے کہ دل میں تسکین پاتی ہوں۔ خواب میں اپنے پیارے باپ کو دیکھا فرماتے ہیں
"جدائی کا وقت ختم ہوا۔ اب تم میرے پاس آ رہی ہو۔" شوہر اور بچوں سے کچھ اور گفتگو
کی اور گھر آنے کے لئے کھڑی ہوئیں۔ باپ کے مزار کو دیکھا۔ ایک آہ سرد بھری اور
"ہائے میرا باپ" کہہ کر گر پڑیں اور بے ہوش گئیں۔ اور اسی بے ہوشی کی حالت میں
شوہر اور بچے اٹھا کر گھر پر لائے۔ بخار دوسرے روز بھی تیز تھا۔ زینبؓ اور اُم کلثوم دونوں
بچیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ کلیجہ سے چمٹائے دیر تک روتی رہیں۔ پھر کچھ خیال آیا بھینچ بھینچ
کر پیار کیا اور فرمایا:۔

"پیاری بچیو! خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہے۔ تمہاری ماں اب تم سے رخصت
اور تم ماں کی آغوش سے محروم ہوتی ہو۔ مگر میں خوش ہوں کہ علیؓ جیسا باپ اور حسینؓ
جیسے بھائی تم پر جان چھڑکنے والے موجود ہیں۔ تکلیفوں میں گھبرانا، مصیبتوں میں اکتانا
پریشانیوں میں جی چھوڑ دینا مسلمان کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھنا کہ تمہاری رگوں میں
اس نانا کا خون بہہ رہا ہے۔ جس کو دشمنوں کے ہاتھوں سخت سے سخت اذیت پہنچی
مگر اُس نے کبھی کسی کے لئے بددعا نہیں کی۔ اس ماں کا تم نے دودھ پیا ہے۔ جس
کی ساری عمر فقر و فاقہ میں گزری جسنے مخلوق کی خدمت کی اپنی طرف سے کوشش کی۔
اور اس باپ کی آغوش میں پلی ہو جس کی شجاعت اور صداقت۔ حق گوئی اور دیانت
کے غیر بھی معترف ہیں۔ حسنؓ اور حسینؓ کا تم سے زیادہ چاہنے والا کون ہوسکتا ہے۔
نہیں دشمنوں کے ہاتھوں جو تکالیف پہنچیں گی، ان میں تمہاری محبت ان کے
زخمی دلوں پر مرہم کا کام دے گی۔" پھر بی بی زینبؓ کو سینہ سے چمٹا کر کہا "کون کہہ سکتا
ہے کہ حسینؓ کن مصائب میں مبتلا ہو۔ زینبؓ! ماں کی زندگی میں تو اپنے بھائی کی عاشق زار
بہن رہی ہے۔ بات تو جب ہے کہ ماں کے بعد بھی بھائی کی محبت میں ذرہ برابر فرق نہ آئے
اور جس طرح تم دونوں اب تک شیر و شکر رہے اسی طرح ہمیشہ ایک دوسرے کی صورت کے

پروانہ رہو۔ میرے بعد اس کی ماں بھی تو ہے اور بہن بھی"

اس کے بعد مٹی گھولی۔ بچوں کو نہلایا کپڑے بدلے اور سب کو پیار کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضؓ گھر میں داخل ہوئے تو ان سے کہا[1] "میں خوش نصیب ہوں کہ تمہارے ہاتھوں پیوند زمین ہوتی ہوں۔ میرا کہنا سنا معاف کرنا۔ میں نے کپڑے اس لئے بدلے ہیں کہ انہیں کپڑوں میں مجھے دفن کر دینا۔ غیر محرم میرے جسم یا جنازے کو ہاتھ نہ لگائے اور رات کے وقت دفن کرنا"

رسول اکرمؐ کے انتقال کو چھ[2] ماہ ہو چکے تھے۔ رمضان المبارک کی ۳ تاریخ اور منگل کا دن تھا پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کیا۔ شوہر کے ساتھ حسنین کو آپ کے مزار پر بھیجا۔ زینبؓ برابر بیٹھی ہوئی تھیں۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے قرآن مجید پڑھنے میں مصروف تھیں کہ روح نے عالم بالا کو پرواز کی۔

۱۵۔ ماں کے بعد

رسالت مآبؐ کی رحلت بی بی زینبؓ کی زندگی میں پہلا حادثہ تھا اور جناب سیدہ کی وفات دوسرا۔ اس وقت ان کی عمر چھ ساڑھے چھ سال تھی۔ ان حادثوں نے ان کو سخت صدمہ پہنچایا جو گھر راحت و سکون کا گہوارہ تھا غم کدہ بن گیا۔

بی بی زینبؓ اپنی چھوٹی بہن ام کلثوم کے ساتھ گھر کے در و دیوار کو حسرت کے ساتھ دیکھتیں اور ہر طرف اندھیرا نظر آتا۔ حضرات حسنینؓ کی عمریں بھی کچھ زیادہ نہ تھیں اوپر تلے کے بہن بھائی تھے۔ اور چاروں بچے نانا اور ماں کی شفقت سے محروم ہونے کے بعد رنج و غم کے پتلے بنے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے اپنا دکھ درد بیان کر کے اپنے غم کا بوجھ ہلکا کر لیتے تھے۔

حضرت علی رضؓ نے بن ماں کے بچوں کی بے کسی، افسردگی اور پژمردگی

[1] الزہرا

اور گھر میں چھائی ہوئی اداسی کو دیکھ کر جلد سے جلد اس کا انتظام کیا کہ بچوں کی دیکھ بھال اور غور و پرداخت کے لئے کسی سمجھ دار اور دردمند خاتون سے نکاح کر لیا جائے۔ چنانچہ مصنف حیاتِ حیدری کے بیان کے مطابق کچھ دنوں بعد انھوں نے اُمّ البنین بنت حرام کلابیہ سے عقد کر لیا۔ اور چاروں بہن بھائی ان کی نگرانی میں رہنے لگے۔

مصنف اعثم کوفی کہتا ہے کہ "حضرت عباسؓ جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے اور فوجِ حسینی کے عَلَم بردار تھے۔ انھیں اُمّ البنین کے بڑے بیٹے تھے"

سنہ ۱۳ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات ہوئی اور سنہ ۱۵ ہجری میں حضرت عمرؓ فاروق خلیفہ دوم نے صحابۂ کرام کے وظائف مقرر فرمائے۔ تو حضرات حسنینؓ کو اصحاب بدر میں شامل کر کے آپ کے وظائف پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کئے۔ اور حضرت علیؓ کو بھی اتنا ہی وظیفہ ملا۔ ان وظائف نے گھر کی حالت کو بدل دیا۔ جو عسرت سیّدۃ النساءؓ کی زندگی میں تھی وہ دور ہوئی۔ اور اب شیرِ خدا کے گھر میں خوش حالی نظر آنے لگی۔

کچھ عرصے بعد حضرت علیؓ نے لیلےٰ بنت مسعود بن خالد سے نکاح کیا۔ اور اُمّ البنین بنت حرام سے بھی کئی بچے ہوئے۔ اس لئے قرینِ قیاس ہے کہ حضرت علیؓ نے گھر کے انتظام کو اس طرح تقسیم کر دیا ہوگا کہ سیّدۃ النساء کی اولاد ایک جگہ رہے۔ اور دونوں بیویاں علیحدہ علیحدہ۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ سیّدۃ النساء کی اولاد میں گھر کا انتظام بی بی زینبؓ کے سپرد ہوا ہوگا۔ اور ان کو اپنے بہن اور بھائیوں سے جو محبت تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بہن اور بھائیوں کی آسائش راحت اور آرام کا اُس وقت تک کہ شادی نہ ہو گئی۔ کس قدر خیال رکھا ہوگا۔ اپنے شوہر کے گھر جا کر بھی وہ اپنے بھائیوں کا

بہت خیال رکھتی تھیں۔ اور ایک لمحے کے لئے بھی بھائیوں کی خدمت سے غافل نہیں رہیں۔ یہاں تک کہ حضرات حسنینؓ کی بھی شادیاں ہوگئیں۔

بی بی زینبؓ کنوار پنے ہی میں باعتبار علم و فضل مدینے کی تمام لڑکیوں میں قابل ترین سمجھی جاتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے گھر میں محلے اور قبیلے کی لڑکیوں کا اکثر مجمع رہتا تھا۔ جو وقت گھر کے کاموں سے بچتا تھا۔ وہ تعلیم میں صرف کرتی تھیں۔ حضرت زینب کا حسن رشد اس قدر اعلیٰ اور بہتر اور برتر تھا کہ مورخین کے بیان کے مطابق اس وقت قریش اور بنو ہاشم کی خواتین میں بھی۔ یہاں تک کہ عبدالمطلب کی اولاد کی تمام لڑکیوں میں ایک بھی ان جیسی نہ تھی ؎

بی بی زینبؓ کے نکاح کے بیان سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت جعفرؓ اور اُن کے بیٹے عبداللہ کا مختصر ذکر کیا جائے۔ تاکہ بآسانی سمجھ میں آسکے کہ حضرت جعفرؓ کی خدماتِ اسلام اور حضرت عبداللہؓ کی حیثیت اور شیرِ خدا سے تعلق کیا ہے۔ اور کیوں اور پیام رد کر کے شیرِ خدا نے حضرت عبداللہؓ سے بی بی زینبؑ کا نکاح کیا +

۱۶- بی بی زینب رضؓ کے خسر

جب اہلِ مکہ نے مسلمانوں پر بہت سختیاں کیں اور ان کو ہر وقت تکلیفیں پہنچاتے رہے تو عورتوں اور بچوں کے علاوہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے ان میں حضرت جعفر رضؓ بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس بھی تھیں۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں۔ کہ مجھ سے حضرت جعفر رضؓ نے بیان کیا کہ حبشہ پہنچ کر ہم نے سکون اور اطمینان کا سانس لیا۔ اپنے دین کے طریقے پر خدا کی عبادت کرتے اور اسلامی طریقے پر زندگی بسر کرتے تھے۔ اہلِ مکہ کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے ایک وفد شاہِ حبش کی خدمت میں بھیجا۔ جس نے شاہ سے کہا کہ "ہماری قوم کے چند بے وقوں نے ایک جماعت بنائی ہے۔ جو اپنی قومی معاشرت اور روایات سے دست بردار ہو گئی ہے۔ اور اب آپ کے ملک میں آئی ہے۔ یہ لوگ نہ تو دین قدیم کے پابند ہیں نہ عیسائی ہیں۔ آپ اس جماعت کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اپنے ساتھ اپنے وطن لے جائیں۔"

بادشاہ نے جواب دیا کہ "جو لوگ میری پناہ میں آئے ہیں۔ میں ان کو ہرگز اُن کے دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔ ہاں ان لوگوں سے گفتگو کروں گا تاکہ معلوم ہو کہ بات کیا ہے۔"

مؤرخین کا بیان ہے کہ ایک علمی مجلس ترتیب دی گئی۔ مہاجرین۔ مشرکین مکہ کا وفد۔ اور دینِ مسیحی کے علماء جمع ہوئے۔ شاہ حبش نے مسلمانوں سے پوچھا۔ "تم نے کونسا دین اختیار کیا ہے۔ اور اپنی قوم اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہو؟"

مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جعفر بن ابی طالب رضؓ نے اس کا جواب اس طرح دیا۔

"ہم ایسی قوم کے لوگ ہیں۔ جو دنیا بھر میں اپنی جہالت کی نظیر نہیں رکھتی۔ ہم بھی جہالت کے اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ ظلم و ستم ہماری گھٹی میں تھا انسانی جان کی ہمارے نزدیک کوئی قیمت نہ تھی۔ بدکاری اور بدچلنی میں ہم ایک دوسرے سے سبقت

لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ جوا اور چوری روزمرہ کا کھیل تھا۔ مگر خدائے واحد نے ہمیں میں سے ایک رسول پیدا کیا۔ ایسا رسولؐ جس کے حسب اور نسب سے ہم واقف تھے جس کی شرافت اور انسانیت جس کی صداقت اور امانت کے ہم معترف تھے۔ اس نبیٔ برحق نے ہم کو خدا کا یہ پیام پہنچایا کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہمارا معبود ایک اور صرف ایک ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔ اسی رسولؐ نے ہمیں بتایا کہ ہمیشہ سوچ کر بولیں۔ امانت میں کبھی خیانت نہ کریں بلا سبب کسی کی جان ہرگز نہ لیں۔ خواہش اور جھوٹ سے بچیں۔ اس نبیؐ نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ عورتوں کی عزت کرو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ پڑوسی کے تمہارے اوپر حقوق ہیں۔ جو چیزیں تم پر حرام کردی گئی ہیں۔ ان کے پاس مت جاؤ۔ اس نے ہمیں یہ بھی سکھایا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ دو اور غریبوں اور لاوارثوں، ناداروں محتاجوں کی مدد کرو۔ ہم نے اپنے رسولؐ کی ان باتوں کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے۔ ہماری قوم نے ہماری یہ حالت دیکھی تو ہم پر طرح طرح کے ظلم و ستم شروع کر دیئے آخر ہم پریشان ہو کر اور اپنا وطن چھوڑ کر آپ کی پناہ میں آگئے۔ اب آپ سے یہ درخواست ہے کہ ہمیں اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دیجئے۔"

شاہِ حبش نے کہا "جن کلمات کی نسبت تمہارا خیال ہے کہ تمہارا رسولؐ خدا کی طرف سے لایا ہے۔ مجھے بھی تو سناؤ۔" حضرت جعفرؓ نے چند آیات سنائیں جن میں سورہ مریمؑ (پارہ ۱۶) کی آیات بھی تھیں۔ شاہ حبش اور عیسائی علماء کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور شاہ نے کہا۔ "یہ آیات اور جو آیات موسیٰؑ اور عیسیٰؑ خدا کے پاس سے لائے تھے ایک ہی ہیں۔" پھر اس نے اہلِ مکہ کے وفد سے کہا "تم اپنے ملک کو واپس جاؤ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالہ نہ کروں گا۔" دوسرے دن یہ لوگ پھر بادشاہ سے ملے اور کوشش کہ اسے مہاجرین کی طرف سے بدظن کردیں مگر کامیابی نہ ہوئی اور مکہ واپس آگئے۔

اب حضرت جعفر بن ابی طالب امن وسکون سے زندگی بسر کرنے لگے اور یہیں حضرت عبداللہ اسماء بنت عمیس کے بطن سے پیدا ہوئے۔

سرورِ کائناتؐ کے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے ساتویں سال مہاجرین اور انصار نے خیبر کے قلعوں پر حملہ کیا۔ انھیں ایام میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور دوسرے مہاجرین حبشہ سے خیبر پہنچے۔ جس دن شیرِ خدا کے ہاتھوں خیبر کا سب سے بڑا قلعہ فتح ہوا ہے۔ سرورِ کائنات بہت خوش تھے۔ اسی روز جب جعفرؓ خیبر پہنچے تو رسولؐ اللہ نے انہیں گلے سے لگایا اور فرمایا "میں نہیں جانتا کہ آج جعفرؓ کی واپسی نے اس قدر خوش کیا ہے۔ یا خیبر کی فتح نے"

۸ھ میں سرورِ عالمؐ نے ایک مہم مقام موتہ کی جانب روانہ کی تھی جس میں تین ہزار مسلمان شریک تھے۔ اور مقابلہ تھا شرجبیل سے جس کے ساتھ ایک لاکھ سپاہ تھی۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ یہ لشکر حضرت زید بن حارث کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا عیسائیوں نے حضرت جعفر کو چاروں طرف سے گھیر کر ان کا سیدھا ہاتھ کاٹ ڈالا جس میں علم تھا۔ انہوں نے بائیں ہاتھ میں علم لے لیا۔ وہ بھی شہید کر دیا گیا۔ اب حضرت جعفرؓ نے علم دونوں بازوؤں کے بیچ میں لے لیا۔ تو ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت جعفرؓ کے اس جنگ میں سو زخم آئے تھے۔

یہ تھے حضرت جعفر بن ابی طالب جن کے بیٹے حضرت عبداللہ سے بی بی زینب کی شادی ہوئی تھی۔ ابو طالب زینب بنت علیؑ کے دادا بھی تھے اور عبداللہ بن جعفرؓ کے بھی۔ عبداللہ کی دادی فاطمہ بنت اسد ہاشم کی پوتی تھیں اور ہاشم ابو طالب کے بھی دادا تھے۔

ہاشم
عبدالمطلب — اسد
عبداللہ — ابو طالب — فاطمہ بنت اسد
محمد رسول اللہ
بی بی فاطمہؓ ← علیؓ — جعفرؓ
بی بی زینبؓ ← عبداللہؓ
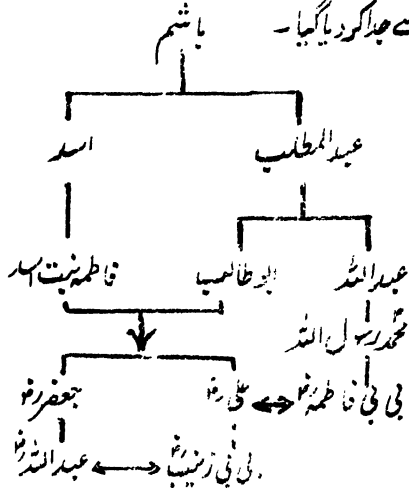
۱۷۔ حضرت عبداللہ رضؓ بن جعفر رضؓ

ابن جوزی محدث کا بیان ہے یحییٰ ابن ابی العلیٰ کے حوالہ سے کہ عبداللہ بن جعفر رضؓ نے کہا "میرے باپ کی شہادت کے بعد رسول اکرم مجھے اور میرے بھائیوں کو لے کر مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور درد و غم بھری آواز میں میرے باپ کی شہادت کی اطلاع مسلمانوں کو دی۔ پھر ہم کو اپنے گھر لے گئے اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ تین روز تک ہم وہیں کھانا کھاتے رہے۔ اور سرور عالمؐ ہمارے ہاں تشریف لاتے رہے۔"

حضرت عبداللہ کہتے ہیں "میں اس زمانہ میں بکریاں چراتا تھا۔ ایک مرتبہ سرور عالمؐ نے مجھ کو بکریاں چراتے دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ دعا کی "اے اللہ عبداللہ کے حق میں کشادگی پیدا کر"۔ رسول اللہ کی دعا کی برکت سے جو کام میں نے کیا اس میں خدا نے میری مدد کی۔"

حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ اور ان کے بھائی رسول اکرم کی شفقت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے رہے۔ رسولؐ اللہ کے بعد حضرت علی رضؓ کی نگرانی میں رہے۔ یہاں تک کہ عہد شباب میں داخل ہوئے۔

حضرت عبداللہ رضؓ خوبصورت نوجوان تھے۔ ان کا اخلاق وسیع تھا۔ اور ان کی مہمان نوازی اور غربا پروری کی عام شہرت ہو گئی تھی۔ ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ مگر وہ مسلمانوں کی امداد میں بے دریغ اپنی دولت خرچ کرتے رہتے تھے۔ ان کے متعلق سرور کائنات نے فرمایا تھا:۔

"ان کا خلق میرا خلق ہے"

۱۸۔ نکاح

بی بی زینبؓ کی ذہانت و ذکاوت ، فراست ومتانت ، خوش مزاجی اور سلیقہ شعاری کا چرچا اُن کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہی ہو رہا تھا ۔ جوانی کی منزل میں قدم رکھنا تھا کہ چاروں طرف سے پیغامات آنے شروع ہوئے ۔ ایک پیغام کے مطابق ابن ابی الحدید نے نہج البلاغۃ کی شرح میں اس طرح لکھا ہے کہ "بی بی زینبؓ کے ہوشیار ہونے پر قبیلۂ کندہ کے سردار و رئیس اشعث بن قیس نے حضرت علی رضہ کو بی بی زینبؓ کے لئے پیغام نکاح دیا۔" حضرت علی رضہ کو اشعث بن قیس کے الفاظ ناگوار گزرے اور آپ نے جواب دیا کہ "تجھ کو یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ تو مجھ سے اس قسم کی خواہش کرے ۔ زینبؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی شبیہ ہے اور اس ماں کا دودھ پیا ہے ۔ جو دنیا کی بہترین عورتوں میں سے تھی ۔ تیری یہ نیافت کہ تو اس کا شوہر بنے ۔ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تو نے دوبارہ اس قسم کے الفاظ زبان سے نکالے تو تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا ۔ تو اور زینبؓ میں ہم کلامی ۔ کہاں زمین ، کہاں آسمان ؟"

ابن ابی الحدید نے شیرِ خدا سے جو الفاظ منسوب کئے ہیں ہمیں ان سے اتفاق نہیں ۔ ملائم اور مناسب الفاظ میں حضرت علی رضہ نے انکار کر دیا ہوگا ۔ ایسے سخت الفاظ یقیناً خُلقِ حیدری کے خلاف ہیں ۔ حضرت علی رضہ اس واقعہ کو نہ بھول سکتے تھے کہ رسالتمآبؐ نے ہجرت کے تیسرے سال اپنی پھوپی زاد بہن زینب بنت جحشؓ کا نکاح اپنے غلام زید بن حارث سے کیا تھا اور ہمیشہ فرماتے تھے کہ تمول دلیلِ شرافت نہیں خدا کے نزدیک آقا اور غلام سب برابر ہیں ۔ اور یہ واقعہ بھی حضرت علی رضہ کے سامنے کا تھا کہ غلام حبشی بلال رضہ کے قصدِ نکاح کے جواب میں سے

گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرح اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
(شبلی)

جس شخص نے رسول اللہؐ کے زیر سایہ تربیت پائی ہو۔ جس کا خلق رسولؐ کا خلق کہا جائے۔ جو اسلامی خلق کا مکمل نمونہ ہو جس نے کئی کئی وقت کے متواتر اور مسلسل فاقوں کی حالت میں کبھی سائل کو نہ جھڑکا ہو۔ جس نے اپنی عملی زندگی سے برداشت اور ضبط کا سبق مسلمانوں کو سکھایا ہو۔ بیٹی کے پیام نکاح پر اس کی زبان سے ایسے سخت الفاظ۔ ہماری عقل کام نہیں کرتی۔ کہ کس طرح نکل سکتے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سرور کائناتؐ کے بعد حضرت علیؓ کی نگرانی میں رہے ان کی خوش معاملگی، خوش اخلاقی، صداقت، دیانت، اس پر ان کی سعادت مندی حضرت علی مرتضیٰ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس تحریک سے کسی کے ذریعہ یا خود بہرحال حضرت عبداللہ نے حضرت علیؓ کو بی بی زینبؓ کے لئے پیام نکاح دیا۔ ہمیں مورخین کی اس رائے سے قطعی اتفاق نہیں کہ "عبداللہ نے زینبؓ کے لئے اپنے چچا حضرت علیؓ سے خواہش کی تو اپنے بھتیجے کی درخواست فوراً منظور کرلی"۔

اسلام میں نکاح کی پہلی اور سب سے ضروری شرط فریقین یعنی مرد و عورت کی رضامندی ہے۔ حضرت علیؓ اس واقعہ کو نظرانداز نہ فرما سکتے تھے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی تحریک سے وہ رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جناب فاطمہؓ کے لئے اپنا پیام دیا تو رسول اللہؐ نے فرمایا" میں فاطمہؓ سے دریافت کرکے جواب دوں گا"۔ اور جب حضور اکرمؐ جناب فاطمہؓ کے پاس گئے تو فرمایا" علیؓ تیری خواہش لے کر میرے پاس آیا"۔ اور پھر بی بی فاطمہؓ کی خاموشی پر یہ بھی فرمایا۔ " فاطمہؓ کی خاموشی اس کی رضامندی ہے"۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا کہ حضرت علیؓ جیسا عاشق اسلام اور عاشق رسولؐ اسلامی حکم کے خلاف بیٹی کی رضامندی حاصل کئے بغیر

اس کا پیامِ نکاح جھٹ پٹ منظور کر لیتا۔ اس لئے قرینِ قیاس یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضؓ نے پیامِ نکاح دیا تو شیرِ خدا نے دو ایک روز بعد جواب دینے کا وعدہ فرمایا اور اس عرصہ میں اگر براہِ راست نہیں تو کسی ذریعے سے بی بی زینبؓ کی مرضی معلوم کی اور جب ان کی رضامندی حاصل ہو گئی، تو پیام بخوشی منظور فرما لیا۔

بی بی زینبؓ کا نکاح اسلامی سادگی کا بہترین نمونہ تھا۔ نہ آج کل کے سے تکلفات تھے نہ دولہا دلہن کے گھروں میں عزیزوں اور دوستوں کا ہجوم تھا۔ خاندان کے چند بزرگ دولہا کو لے کر آ گئے اور مسجد میں خود حضرت علی رضؓ نے نکاح پڑھا دیا۔

ہندوستانی مسلمانوں کے بعض خاندانوں میں بیٹی کے نکاح کے وقت نکاح میں باپ کی موجودگی آج بھی معیوب خیال کی جاتی ہے۔ بیٹی کا ولی باپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے مگر والدِ بزرگوار اِدھر اُدھر بچے بچے پھرتے ہیں۔ اور لڑکی کا بھائی یا چچا یا ماموں ولی بن کر نکاح پڑھواتے ہیں۔ حالانکہ دخترِ اسلام کے نکاح کی شان یہ ہو کہ بانیٔ اسلام اپنی بیٹی فاطمہ زہرا کا اور شیرِ خدا اپنی بیٹی زینب کبریٰ کا نکاح خود پڑھاتے ہیں!

گھر کی عورتوں نے نہلا دھلا کر بی بی زینبؓ کو آراستہ کیا۔ بالوں میں کنگھی کی۔ کپڑوں میں بیک لیس تھی نہ گوٹہ ٹھپّہ۔ خوشبو لگائی اور خاندان کی عورتیں ان کو حضرت عبداللہ بن جعفر کے گھر پہنچا آئیں اور دوسرے دن حضرت عبداللہ بن جعفر رضؓ نے دعوت ولیمہ کی۔

جس زمانہ میں بی بی زینبؓ کا نکاح ہوا ہے۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کی مالی حالت اس قدر خراب اور خستہ نہ تھی جیسی اُس وقت تھی۔ جب جناب فاطمہ رضؓ کا نکاح ہوا تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بی بی زینب کے نکاح کا وہ زمانہ تھا جب اطراف وجوانب کے ملکوں سے کافی دولت سمٹ کر مدینہ میں جمع ہو گئی تھی۔ اور سب خوش حال تھے۔ جناب عبداللہ بن جعفر کی حالت اوسط سے بہتر اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ تجارت کرتے تھے اور مدینہ کے کامیاب تاجروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

ہندوستانی مسلمانوں میں ہزاروں لاکھوں روپیہ کا مہر غالباً فرض سمجھ کر نہیں رسم سمجھ کر باندھا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دس فیصدی بھی مہر ادا نہیں کرتے اور اچھی بیوی کی ایک خصوصیت یہ فرض کر لی گئی ہے کہ وہ اپنی خوشی سے مہر معاف کر دے حالانکہ مہر ایک قسم کا قرضہ ہے جس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے اور جس کی رقم اپنی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر مقرر کرنی چاہیئے۔ یعنی اتنا مہر ہو جو ادا کیا جا سکے۔ کلام اللہ میں ادائیگی مہر کی کئی جگہ تاکید ہے۔ "ان کے مہر ادا کر دو جو واجبی ہیں" "عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی کے ساتھ دیدو" اگر مہر حیثیت سے زیادہ باندھا جا رہا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا ادا ہونا مشکل ہے۔ اور جب مہر کی ادائیگی آسان نہیں تو ادائیگی کی رضامندی ظاہر کرنا دوسرے لفظوں میں ایک قسم کا دھوکا ہے جو ڈنکے کی چوٹ دیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو یہ کیفیت ہے۔ اور دوسری طرف مہر فاطمی ثواب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جناب سیدہ کا جب نکاح ہوا ہے تو حضرت علی رضؓ کے افلاس کی یہ کیفیت تھی کہ پانی کا ایک ڈول کھینچتے تھے جب ایک کھجور ملتی تھی، اس لئے اب جو کھاتا پیتا خوش حال مرد ثواب کہہ کر مہر فاطمی پر نکاح کر رہا ہے وہ حقیقتاً بیوی کی وقعت گرا رہا ہے۔ اور اس کے اس نکاح سے اسلام کا یہ منشاء پورا نہیں ہوتا کہ واجبی مہر سے عورت کے ایک ضروری حق کی حفاظت ہو جائے۔

بی بی زینبؓ کے نکاح کی صحیح تاریخ کا جس طرح پتہ نہیں چلتا۔ اسی طرح ان کے مہر کی رقم بھی معلوم نہ ہو سکی۔ جناب سیدہ کے مہر کی رقم مورّخین کے تھوڑے سے اختلاف سے چار سو مثقال تھی مگر جیسا کہ اوپر لکھا گیا اُس وقت جناب علی مرتضیٰ بہت عُسرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن جعفر رضؓ کی مالی حالت اچھی تھی اور چونکہ شرع کی رُو سے مہر حیثیت کے مطابق باندھا جاتا ہے۔ اس لئے بی بی زینب کا مہر چار سو مثقال سے یقیناً زیادہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۷ھ[1] میں بی بی زینبؓ کی چھوٹی بہن بی بی اُم کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے چالیس ہزار درہم پر ہوا۔ حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت تھے مگر بادشاہ وقت نہ تھے۔

[1] بعض مورخین حضرت عمرؓ سے بی بی ام کلثوم کے نکاح کو نہیں مانتے (دیکھئے صفحہ ۲۶)

انھیں معمولی وظیفہ ملتا تھا اور اس وقت عبداللہ بن جعفرؓ کی مالی حالت حضرت عمرؓ سے بہتر تھی۔ اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ بی بی زینبؓ کے مہر کی رقم بی بی اُم کلثوم کے مہر سے اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہ ہوگی، اور کم سے کم چالیس ہزار درہم مہر ہوگا۔ جو ہمارے حساب سے پونے نو ہزار روپے کے قریب ہوتا ہے۔

عرب میں بالعموم نکاح کے بعد ہی مہر ادا کر دیا جاتا ہے اور اب تک وہاں یہ دستور ہے اس لئے حضرت عبداللہ نے بھی نکاح کے بعد بی بی زینبؓ کا مہر ادا کر دیا ہوگا۔

جہیز عرب میں برتن چکی اور خانہ داری کی دوسری چیزیں جہیز میں دی جاتی تھیں۔ تاکہ دولہا کے گھر پہنچ کر دُولھن اپنی چیزیں فوراً استعمال میں لا سکے اور شرم کی وجہ سے ضرورت کی کسی چیز کے لئے تکلیف نہ اٹھائے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس زمانہ میں عرب سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور ضرورت سے زیادہ سامان گھر میں نہ رکھتے تھے۔ یہ سبب بھی ہو سکتا ہے کہ شادی کے بعد میاں بیوی تنہا زندگی بسر کریں تو ضروریات کی چیزوں کا انتظام کرنے کی دقت نہ ہو۔

بی بی زینبؓ کو حضرت علی مرتضیٰ نے جہیز میں کیا کیا سامان دیا تھا کسی تاریخ سے اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے دستور کے مطابق انھوں نے اس سے ضرور کافی زیادہ دیا ہوگا۔ جو جناب سیدہ کو رسول اللہ سے جہیز میں ملا تھا۔ اس وجہ سے کہ رسول اللہ نے تو سیر ہو کر کبھی ایک وقت بھی طعام تناول نہیں فرمایا اور حضرت زینب کی شادی کے دنوں میں حضرت علیؓ کی مالی حالت اچھی تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے جو جہیز بی بی زینب کو دیا ہوگا اس کا بیشتر حصہ ضروریات خانہ داری پر مشتمل ہوگا یعنی گھڑے ہنڈیاں اور رکابیاں۔ چھاگل مشکیزہ۔ تخت۔ چمڑے کے تکئے چکی بستر اور سادے کپڑے۔

برتنوں میں تقریباً تمام چیزیں مٹی کی ہوں گی ممکن ہے کوئی برتن کسی دھات کا بھی ہو۔ کیونکہ اس زمانہ میں غیر ممالک سے دھات کی چیزیں حجاز عرب میں آنے لگی تھیں۔

لباس میں سادہ کپڑے ہوں گے۔ ممکن ہے یمن کی چادریں اور مصر و شام کے بھی چند خوشنما کپڑے ہوں۔ اس زمانہ میں سونے چاندی کے زیور کا رواج ہو چکا تھا اور گلے کا ہار یا کنٹھی بہترین زیور سمجھا جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بی بی زینب کو چاندی کا ہار یا کنٹھی ملی ہو۔ لیکن چونکہ حضرت علی رضؓ کو تکلف کی زندگی سخت ناپسند تھی۔ اس لئے انھوں نے اور قیمتی زیور نہ دیا ہو گا۔ اور غالباً حضرت عبداللہ رضؓ کے ہاں سے بھی قیمتی زیورات نہ آئے ہوں گے۔ اور نہ خود بی بی زینبؓ نے قیمتی زیورات پہنا کئے ہوں گے۔ کیونکہ جناب سیدہ کو زیورات سے دلچسپی نہ تھی اور بی بی زینبؓ ہر اعتبار سے دوسری سیدہ رضؓ تھیں ۔

۱۹۔ خانہ داری

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دنیا کا تمدن یہ تھا کہ رؤسا اور حکام وقت سے قطع نظر کر کے گھر کا تمام کام کاج عورتیں کرتی تھیں۔ سیدۃ النساء کی خدمت میں ارادت مند خواتین اکثر حاضر رہتیں مگر خانہ داری کے تمام کام جناب سیدہ اپنے ہاتھوں انجام دیتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے آپ کی ہتھیلیوں میں چھالے پڑ جاتے مگر آپ کبھی کسی کو گھر کے کسی کام کے لئے تکلیف نہ دیتیں البتہ جب بی بی زینبؓ نے ہوش سنبھالنا شروع کیا تو اپنی محترم ماں کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگیں۔ اس ماں کے سایۂ عاطفت میں جس کی سلیقہ شعاری اور سگھڑاپے کا مدینہ بھر میں چرچا تھا۔ جو گھر کا چھوٹے سے چھوٹا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ اس گھر میں جو تکلفات کی چیزوں سے آراستہ نہ تھا مگر جہاں ضرورت کی چیزیں قرینہ سے رکھی ہوتی تھیں اس گھر میں جس کی صفائی ستھرائی مشہور تھی، بی بی زینب نے خانہ داری سیکھی۔

شادی ہو کر جب آپ حضرت عبداللہ کے گھر پہنچیں تو ان کو خانہ داری کے فرائض ادا کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی زحمت سے سابقہ نہیں پڑا۔ گھر کی ہر چیز قرینے سے رکھتیں کہ ضرورت کے وقت فوراً مل جائے اور گھر کے کسی آدمی کو تلاش کرنے میں ذرا بھی دقت

نہ ہو۔ اُن کی سلیقہ شعاری میں یہ عادت بھی شامل تھی کہ وہ فضول اور بیکار کوئی چیز اپنے گھر میں نہ رکھتی تھیں۔ کھانا ضرورت کے مطابق تیار کرتیں اور وقت پر تیار کرتیں۔ جب تمام مرد اور بچے یا مہمان کھانے سے فارغ ہو جاتے تب خود کھاتیں اور جو بچ جاتا تو اٹھا کر نہ رکھتیں بلکہ کسی بھوکے کو کھلا دیتیں۔ کفایت اور نظم اُن کے تمام کاموں میں جلوہ گر ہوتا۔ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز خرچ نہ کرتیں اور نہ کسی ایسی چیز کو محفوظ رکھتیں جو خراب ہو کر نقصان کا موجب ہو۔ ان کی خانہ داری میں غریبوں بیکسوں اور یتیموں کی مدد بھی شامل تھی جن کی امداد میں ہمیشہ فراخ حوصلگی سے کام لیتیں۔ اپنی محترم ماں کی طرح انھیں بھی اچھے کھانوں کا شوق نہ تھا۔ جو کچھ میسر آتا اس پر صبر و شکر کرتیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر کے یہ الفاظ کہ "زینبؓ بہترین گھر والی ہے" بتا رہے ہیں کہ سیدہ کی بیٹی خانہ داری میں کس قدر ماہر تھیں۔

۲۰۔ بی بی زینبؓ اور حضرت عبداللہؓ کے تعلقات

جس بیوی نے شوہر کی عظمت کا سبق سیدۃ النساء جیسی ماں سے سیکھا ہو۔ جو خانہ داری کے تمام کاموں میں ماہر ہونے کے علاوہ ہر کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے کی عادی ہو اس نیک بیوی کو شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہوگی۔ باآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اوراقِ تاریخ پر ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ بی بی زینب اور حضرت عبداللہ کے تعلقات میں کبھی بدمزگی ہوئی۔ چھوٹے موٹے معاملات میں اختلاف رائے یا معمولی شکر رنجی دوسری چیز ہے اور سب جگہ ہوتی ہے۔ نبیوں اور پیغمبروں کے ہاں بلکہ خود سرورِ عالم اور شیرِ خدا کے ہاں ہوئی ہے۔ بی بی زینبؓ اور حضرت عبداللہؓ کے درمیان کبھی کسی قسم کا اختلاف رائے نہ ہونا اور اس اختلاف کا طبیعت اور مزاج پر ہلکا سا بھی اثر نہ پڑنا بشریت کے خلاف ہے اور اس سے ان دونوں نیک انسانوں کے کردار پر ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ ان میں کبھی

معمولی سی بھی شکر رنجی نہ ہوئی ہو گی ۔ درست نہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بی بی زینب نے حضرت عبداللہ کو کبھی کسی خاص معاملہ میں شکایت کا موقع نہیں دیا اور ہمیشہ انھیں خوش رکھا۔ دوسری طرف حضرت عبداللہ کی خوش اخلاقی اور نیک مزاجی کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ "اس کا خُلق میرا خُلق ہے" اگرچہ بی بی زینبؓ اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرتیں تو حضرت عبداللہؓ بھی بی بی زینبؓ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے۔ ایک موقعہ[1] البتہ ایسا آیا تھا۔ جب تعلقات میں بدمزگی پیدا ہو سکتی تھی اور وہ یہ تھا کہ جب حضرت امام حسینؑ مدینہ سے مکّے جانے لگے تو بی بی زینب نے اُن کے ساتھ جانے کے لئے شوہر سے اجازت مانگی۔ حضرت عبداللہؓ خلاف معمول بیوی کی آنکھ میں آنسو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اور پوچھا "خیر تو ہے کیا بات ہے؟"۔ بی بی زینبؓ نے جواب دیا۔ "تم کو معلوم ہے مجھے بھائی حسین سے کس قدر محبت ہے۔ میں اُن کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ تم اگر اجازت نہ دو گے تو تمہارا حکم میرا فرض ہے مگر میرے دل کی جو حالت ہو گی اسے بھی سمجھ سکتے ہو"

حضرت عبداللہ اس گفتگو سے متاثر ہوئے اور اُنھوں نے اجازت دیدی۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بی بی زینب اور حضرت عبداللہؓ کے تعلقات اس قدر اچھے تھے کہ حضرت عبداللہ کو بیوی کی دل شکنی گوارا نہ ہوئی۔

حضرت علی رضؓ کے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ اور بی بی زینب حضرت علی رضؓ کے ساتھ رہے۔ اور حضرت علی رضؓ کے بعد جب حسنینؓ مدینہ آ گئے۔ اس وقت وہ بھی اُن کے ساتھ آئے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔

[1] اس میں بھی مورخین کا اختلاف ہے۔

۷۸۰۷

باب چوتھا

اسلامی سیاست کی ہولناک چوتھائی صدی

۳۵ھ تا ۶۰ھ

جناب زینب کبریٰ کی زندگی کا بڑا حصہ افکار و آلام اور شدت کے صدمات اور مصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے گزرا۔ ان کا اطمینان اور سکون کا جو زمانہ کہا جا سکتا ہے وہ شادی سے ۳۵ھ تک ہے، جب وہ ایک سلیقہ شعار اور منتظم گھر والی، ایک خدمت گزار بیوی، ایک سمجھ دار اور شفیق ماں، ایک فرمانبردار بیٹی، ایک عاشق زار بہن، ایک ہمدرد پڑوسن اور ایک دردمند مومنہ کی حیثیتوں سے چمنستانِ نسوانیت میں گلہائے سدا بہار کھلا رہی تھیں۔ ۳۵ھ سے ۶۰ھ کا زمانہ سیاست اسلامی کی وہ چوتھائی صدی اور تاریخ اسلام کا وہ خونیں باب ہے جس کا براہ راست بی بی زینبؑ کی ذات سے تعلق نہ ہو لیکن اس کا مختصر تذکرہ اس لئے ضروری ہے کہ کسی نہ کسی موقع پر کسی نہ کسی صورت میں بی بی زینبؓ نے اس میں حصہ لیا اور اس سیاست کا ان کی زندگی پر نہایت گہرا اثر پڑا۔

۲۱۔ خلافت حیدری سے پہلے

بی بی زینب رضؓ کے باپ حضرت علی رضؓ نے پانچ سال کے قریب فرائض خلافت کو انجام دیا۔ جس میں حضرت علی رضؓ کا سارا خاندان شریک رہا۔ مگر یہ زمانہ انتہائی مشکلات اور مصائب کا تھا۔ اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت اور شہادت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔

حضرتِ عثمان خلیفۂ سوم کی شہادت اسلامی تاریخ کا نہایت ہی دردانگیز واقعہ ہے حضرت عثمان رضؓ کے زمانۂ خلافت کے آخری عہدہ میں بصرہ، کوفہ اور مصر کی ایک جماعت حضرت عثمان رضؓ سے ناراض ہوگئی اور اس نے کوشش کی کہ حضرت عثمان رضؓ خلافت سے دست بردار ہوجائیں اور کسی اور شخص کو خلیفہ منتخب کرکے نظامِ خلافت کو درست کیا جائے ۲۳ھ میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ کی شہادت کے بعد خلافت سوم کا انتخاب ہی کچھ اس طرح ہوا کہ باوجود اس کے کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ اور خلافت عثمانی کو کامیاب بنانے میں ہرممکن کوشش کی مگر ایک فریق حضرت عثمان رضؓ سے ناراض رہا۔ اور جب خلافت سوم کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ عبداللہ ابن عمر کا پیش ہوا۔ جنہوں نے اپنے باپ خلیفہ دوم کے قاتل ابولولو فیروز غلام کے ساتھیوں کو قتل کیا تھا تو حضرت عثمان رضؓ نے قصاص لینے کی بجائے اپنے پاس سے خونبہا ادا کیا اور عبداللہ بن عمر کو چھوڑ دیا۔ بعض مسلمانوں نے اس فیصلہ کو پسند نہ کیا۔ مگر کوئی مخالفانہ کارروائی بھی نہ کی۔ بظاہر بات آئی گئی ہوئی مگر خلافت سوم کے خاتمہ سے چند سال پہلے بعض ناگوار واقعات پیش آئے۔ جو حضرت عثمان کی شہادت کا باعث ہوئے۔ اور حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضؓ کی خلافت میں آئے دن مشکلات پیدا ہوتی رہیں۔ ان واقعات کو مورخین کے اختلافات نے سخت پیچیدہ

بنا دیا ہے۔ ہم سیدہؓ کے لال کو پیش نظر رکھ کر اہم واقعات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:۔

(۱) حضرت عثمان رضؓ نے اپنے بھانجہ عبداللہ کو جو مرتد ہو گیا تھا اور جس کی بابت رسولِ اکرمؐ نے قتل کا حکم دیا تھا اور وہ فرار ہو گیا تھا، مصر کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عثمان رضؓ بنو اُمیہ میں سے تھے اور بہت سے صوبوں کے حاکم بنو امیہ تھے۔ بنو ہاشم ان سے خوش نہ تھے۔ اور عبداللہ کے تقرر اور شرارتوں سے سخت نالاں تھے۔

(۲) ابوذر غفاری رضؓ ایک بڑے پایہ کے صحابی تھے۔ اُن کی حق گوئی کی وجہ سے رسول اللہؐ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ حاکم شام امیر معاویہ کی بعض باتیں انھیں ناگوار گزریں تو اُنھوں نے بھری مجلسوں میں ٹوک دیا۔ امیر معاویہ نے حضرت عثمان رضؓ سے شکایت کی اور انھوں نے ابوذر غفاری رضؓ کو شام سے بلایا۔ حضرت عثمان رضؓ کو بھی اُنھوں نے کھری کھری سُنائیں۔ اور ایک گاؤں میں چلے گئے۔ حضرت عثمان کا طرزِ عمل ابوذر رضؓ کے ساتھ بعض مسلمانوں کو ناگوار گزرا۔

(۳) رسالتمآب نے "منیٰ" میں نماز کی دو رکعتیں ہمیشہ پڑھیں مگر حضرت عثمانؓ نے چار پڑھیں اور جواب دیا کہ رسول اللہ قصر فرماتے تھے۔ میں نے قصر نہیں کیا مگر مسلمان ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے۔

(۴) خلافت کے کاغذات پر رسالتمآب کی مُہر ہوتی تھی جو انگوٹھی میں تھی اور اب حضرت عثمان رضؓ کے پاس تھی۔ وہ ایک روز کنوئیں پر کھڑے تھے کہ انگوٹھی کنوئیں میں گر گئی اور کتنا ہی تلاش کیا نہ ملی۔ بہت سے مسلمان اس واقعہ سے بھی حضرت عثمان سے بددل ہو گئے۔

(۵) حاکم مصر عبداللہ بن سرح، حضرت عثمان رضؓ کے بھانجے نے ایک تقریر میں صحابہ رضؓ رسولؐ اور بنو ہاشم کے لئے بہت سخت الفاظ استعمال کئے۔ جس سے بنو ہاشم کو سخت صدمہ ہوا اور اُنھیں عبداللہ سے کہنا پڑا۔ ہم اس کا بدلہ عثمان رضؓ سے لیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمان کو معزول اور حضرت علی رضؓ کو خلیفہ بنانے کے لئے مصر میں جلسے ہونے لگے۔ پھر

یہ لوگ مدینہ آئے۔ اور حضرت علی رضؓ نے انھیں سمجھایا کہ جوش میں آکر اسلام کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ مگر ان کا غصہ فرو نہ ہوا۔

(۶) مصر میں عبداللہ بن سبا کے عقاید پھیل رہے تھے۔ بظاہر وہ مسلمان ہو گیا تھا مگر اس کی کوشش تھی کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر شجرِ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ اس نے جو دیکھا کہ حضرت علی رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے مددگار رہیں تو حج کے بہانہ اپنی جمعیت لے کر آیا اور کہا کہ حضرت عثمان کے معاملات کی ہم جانچ پڑتال کریں گے اور ان کی جگہ علی کو ورنہ کسی اور کو خلیفہ بنائیں گے کیونکہ عثمان رضؓ سے اسلام کو کافی نقصان پہنچ رہا ہے حضرت علی رضؓ اور زبیر رضؓ خلیفۂ وقت کی حمایت کرا ٹھے دوران فتنہ ہر دو فریقوں سے گفتگو کی اور یہ طے ہوا کہ حاکم مصر کو معزول کر دیا جائے۔ اسے مروان نے حضرت عثمان رضؓ کو بھڑکا یا کہ خلافت آپ کی نہیں رہی۔ علی طلحہ اور زبیرؓ کی ہے۔ بہتر ہے کہ جلسہ عام میں آپ کہئے کہ میں تلوار کے زور سے فتنہ فرو کر سکتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے جلسہ کر کے یہی الفاظ ادا کر دیئے تو لوگوں کو سخت غصہ آیا مگر حضرت علی رضؓ کے مشورہ سے حضرت عثمان رضؓ نے کہا کہ جو غلطیاں مجھ سے ہو گئی ہیں ان کا تدارک کرتا ہوں۔ صلح کی شرط عبداللہ کی معزولی تھی۔ حضرت عثمان رضؓ نے اس کی جگہ محمد بن ابوبکر کو مقرر کرنے کا حکم نامہ بھیجا اور بظاہر بات ختم ہو گئی۔ مگر مصر جاتے ہوئے حضرت عثمان کا غلام پکڑا گیا اور تلاشی لینے پر اس کے پاس سے ایک خط حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے عبداللہ کے نام ملا جس میں لکھا تھا کہ "محمد بن ابوبکر کو فوراً قتل کر دو اور باغیوں کو سزا دو۔" حضرت عثمان کے پاس اسے لائے اور خط دکھایا تو انھوں نے قسم کھائی کہ نہ یہ خط میں نے لکھا نہ مجھے یہ علم کہ مہر کس نے لگائی ہے۔ مسلمان غصے میں آگ بگولا ہو رہے تھے۔ مگر حضرت عثمان رضؓ کی خدماتِ اسلام ان کی نرم دلی اور صداقت سے بھی بے خبر نہ تھے انھوں نے خلیفۂ اسلام کی قسم کا یقین کر لیا مگر وہ سمجھ گئے کہ یہ شرارت بھی مروان کی ہے۔ اس لئے مطالبہ کیا کہ اسے ہمارے

حوالے کیجئے جس طرح حضرت عثمان رضؓ کی شرم وحیا مشہور ہے۔ اسی طرح ان کی نرم دلی اور خوفِ خدا بھی۔ اُنھوں نے مروان کو مسلمانوں کے حوالہ کرنے میں تامّل کیا تو مسلمان آپے سے باہر ہوگئے۔ لاکھ حضرت علی رضؓ اور حضرت طلحہ رضؓ نے سمجھایا مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ امام حسنؓ نے خلیفۂ ثالث کو گھر پہنچایا۔ دوسرے روز بعد نماز جمعہ مسلمانوں نے پھر مروان کا مطالبہ کیا اور حضرت عثمان رضؓ کے جواب سے ان کی آتشِ انتقام اور بھڑکی۔ امام حسن رضؓ پھر انھیں گھر چھوڑ کر آئے۔ باغیوں نے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر کے دانہ پانی بند کر دیا اور پھر گھر پر پتھر پھینکے اور آگ لگائی۔ آخر مفسدوں کی جماعت گھر کے اندر داخل ہوئی۔ اس وقت خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھے۔ خلیفۂ اول کے بیٹے محمد نے ڈاڑھی پکڑ کر مکروہ الفاظ کہے اور ایک شخص کنانہ تلوار لے کر آگے بڑھا اور ایک ہاتھ مارا اور عثمان غنی رضؓ کا ایک کان کٹ گیا۔ ان کی بیوی نائلہ شوہر کو بچانے کے لئے اُن کے روبرو گر پڑیں مگر ان کے ہاتھ زخمی ہوئے اب کنانہ کے علاوہ اور مسلمانوں کی تلواریں بھی پڑ رہی تھیں کہ ۳۵ھ میں روزہ دار عثمان رضؓ شہید ہوئے۔ بی بی نائلہ کی ہچکی بندھی ہوئی تھی کہ ایک شخص ہانی تلوار لئے داخل ہوا اس نے بی بی نائلہ کو دھکا دے کر عثمان غنی رضؓ کے چہرے پر زور سے طمانچے مارے اس کے بعد گرز اٹھایا اور مُردہ جسم کو چُور چُور کر دیا!!

۲۲۔ حضرت علی رضؓ کا عہد خلافت

۳۵ھ میں حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد ایک ہفتہ تک چوتھی خلافت کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ حضرت علی رضؓ نے صاف انکار کر دیا۔ مگر جب چاروں طرف سے اصرار ہوا تو مجبوراً منظور کر لیا اور خلیفہ منتخب ہوئے۔

مسلمانوں نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنا کر اُن سے سب سے پہلے یہ مطالبہ کیا

کہ قاتلانِ عثمان رضؓ کو گرفتار کر کے شرعی حکم قصاص جاری کیا جائے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ "ادھر تو یہ مطالبہ جاری تھا۔ اُدھر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ جو حج کے لئے مکے گئی ہوئی تھیں۔ مدینہ واپس تشریف لا رہی تھیں کہ راستہ میں انھیں اطلاع ملی کہ حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر دیا گیا۔ وہ مکے واپس ہو گئیں اور وہاں جو صحابہ رضؓ موجود تھے انھوں نے مشورہ دیا کہ خون عثمان رضؓ کے قصاص کا حضرت علی رضؓ سے ضرور طاقت کے زور سے مطالبہ کیا جائے۔"

حضرت علی رضؓ کی خلافت کا آغاز ان دشواروں کے ساتھ ہوا۔ اس پر ایک اور واقعہ یہ رونما ہوا کہ حضرت علی رضؓ نے اس خیال سے کہ حضرت عثمان رضؓ کے عامل کہیں ایسا نہ ہو کہ میری خلافت میں مزید مشکلات پیدا کر دیں۔ انھیں معزول کرنے کی کارروائی شروع کی جس میں انھیں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی مگر بڑے بڑے صوبوں کے حکام نے خلیفہ کے اس حکم کو قبول نہیں کیا خصوصیت کے ساتھ شام کے حاکم امیر معاویہ نے۔

اس زمانہ میں حضرت علی رضؓ حضرات حسنینؓ رضؓ اور بی بی زینب کی ذمہ داریاں جس قدر بڑھ گئی تھیں۔ ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ "حضرات حسنین رضؓ کو معتمد صحابہ رضؓ کے ساتھ حضرت علی رضؓ نے ان علاقوں کی جانب خراج وصول کرنے کے لئے روانہ کیا جہاں ان کے خیر خواہوں کی کافی تعداد تھی۔ بی بی زینب نے خود خلافت چہارم کی وفاداری کی تبلیغ خواتین میں شروع کی۔ روزانہ اپنے والد ماجد کے گھر میں یا اپنے شوہر کے مکان میں یا کسی اور معتمد کے ہاں مجلس منعقد ہوتی جس میں وہ اُن تمام غلط فہمیوں کا جو حضرت علی رضؓ کی خلافت سے پھیلی ہوئی تھیں معقول دلائل سے دُور کرنے کی کوشش کرتیں۔ حضرات حسنین اور بی بی زینب کی ان کوششوں کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ مدینہ کی مسموم فضا میں خوشگوار تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ اور اُدھر حضرات حسنین رضؓ اپنے ساتھ کافی فوج لے کر آئے۔

جنگ جمل ۳۶ ہجری ۔ حضرات طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ نے حضرت علی رضؓ

کی خلافت منظور کر لی تھی۔ مگر دونوں مکّے چلے گئے تھے۔ اُدھر مروان نے ایک جمعیّت
تیار کی اور مکّہ پہنچ کر ایسے درد سے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت اور بنو ہاشم کے مظالم بیان کئے
کہ حضرت عائشہ رضؓ زار و قطار رونے لگیں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ حضرات زبیر رضؓ اور طلحہ رضؓ
نے اس بنا پر کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کا انتقام کیوں نہیں لیا فوجیں
جمع کیں اور بصرہ روانہ ہوئے۔ مدینہ کی فضا بڑی حد تک بی بی زینب رضؓ نے صاف کر لی تھی۔
مگر جب حضرت علی رضؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرات طلحہ رضؓ و زبیر کا لشکر مکّہ سے
بصرہ کی جانب روانہ ہو گیا ہے۔ تو جس طرح ام المومنین کو بہکایا گیا تھا اسی طرح مفسدوں
نے امیر علیہ السلام کو جنگ کی ترغیب دی اور وہ بھی اپنا لشکر لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے
اور بہت کوشش کی کہ مسلمانوں کا خون نہ بہے مگر کامیاب نہ ہوئے۔ جنگ ہوئی اور اس قدر
شدید کہ سترہ اٹھارہ ہزار مسلمان مارے گئے اور حضرات طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ جیسے بڑے بڑے صحابی
اس کی نذر ہوئے۔ آخر صلح ہوئی اور حضرت علی رضؓ نے بصرہ پر قبضہ کر کے حضرت عائشہ رضؓ کو
نہایت عزّت و حرمت کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔

۳۷ھ جنگ صفین

مصنّف تاریخ امم اسلامیہ لکھتا ہے کہ جنگ جمل کے بعد حضرت
علی رضؓ نے مدینہ کی سکونت ترک کر دی اور کوفہ کو دار الخلافہ
بنایا۔ اس کا سبب بعض مؤرخین کی رائے میں یہ تھا کہ مدینہ میں حضرت علی رضؓ کے جاں نثاروں
کی تعداد کم رہ گئی تھی۔ اور آپ کے ہمدرد عراق چلے گئے تھے۔ اس لئے آپ نے مدینہ کی بجائے
کوفہ کو دار الخلافہ بنایا۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ لوگ چونکہ فتنہ و فساد برپا کرتے رہتے
تھے اور چین سے زندگی بسر کرنی نہ جانتے تھے حضرت علی رضؓ نے ان کی فطرت سے واقف
ہو کر مناسب سمجھا کہ جس ملک پر اقتدار قائم ہے اس کو اسی حالت میں رہنے دینا اور قدیم
دار الخلافہ میں رہنا جہاں ہر وقت جھگڑا فساد ہے۔ دور اندیشی نہیں اس لئے اہل و عیال
کو لے کر کوفہ آ گئے۔ کوفہ میں مفسدوں کی تعداد کافی تھی لیکن معتقدین بھی بہت کافی تھے

انھیں لوگوں نے حضرت علی رضؓ کا اقتدار کوفہ میں بڑھایا۔ اس کے علاوہ بی بی زینب رضؓ بھی اپنے باپ اور شوہر کے ساتھ کوفہ آ گئی تھیں اور انھوں نے وعظ و درس کی مجلسوں میں فضا درست کرنے میں بڑا کام کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امیر معاویہ رضؓ کی جد و جہد کا کوفہ پر کوئی اثر نہ پڑا۔

کوفہ آنے کے بعد حضرت علی رضؓ نے اپنے سب سے بڑے مخالف حاکم شام امیر معاویہ سے اطاعت کا مطالبہ کیا مختلف حضرات کے ذریعہ اور خطوط لکھ کر لیکن کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ حضرت علی رضؓ کی رائے تھی کہ امیر معاویہ کو شام کا علاقہ ممالک اسلامیہ میں شامل کر کے خلیفۂ وقت کی بیعت کر لینی چاہیئے۔ امیر معاویہ کہتے تھے کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل میں حضرت علی رضؓ کا ہاتھ تھا اور انھوں نے قاتلانِ عثمان رضؓ کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا تھا۔ بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ "امیر معاویہ ہر جمعہ کو حضرت عثمان رضؓ کا خون آلود کرتہ دکھا دکھا کر مسلمانوں کو بنو ہاشم کے خلاف ترغیبِ جنگ دیتے تھے"۔ حضرت علی رضؓ نے امیر معاویہ کو ایک خط میں بہت کچھ سمجھایا کہ تمھاری ضد اسلام کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ خلیفہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور صفین کے مقام پر خونریز جنگ ہوئی۔

اس جنگ میں امیر معاویہ کے لشکر کی ہمت پست ہو گئی تھی مگر یہ دیکھ کر عمرو بن العاص کے مشورہ سے امیر معاویہ نے نیزوں پر قرآن مجید چڑھا کر اعلان کیا کہ "ہمارے تمہارے درمیان قرآن کا فیصلہ کافی ہے"۔ اس تدبیر سے حضرت علی رضؓ کے لشکر میں انتشار پیدا ہو گیا۔ ایک جماعت نے کہا "قرآن کا فیصلہ ہمیں منظور ہے"۔ مگر دوسری جماعت کی رائے تھی کہ یہ ایک فریب ہے۔ جنگ کو جاری رکھنا چاہیئے۔ اول الذکر جماعت کی کثرت تھی۔ اس لئے حضرت علی رضؓ کو اس پر عمل کرنا پڑا۔ اور یہ طے ہوا کہ دونوں ایک ایک معتمد مقرر کر دیں۔ حضرت علی رضؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی طرف سے عمرو ابن العاص مقرر ہوئے۔

یہ طے ہو جانے پر لڑائی بند کی گئی لشکر واپس ہوئے۔ حضرت علی رضؓ کے لشکر میں

اختلاف رائے تھا تمام راستے انتشار رہا۔ کوفہ پہنچتے پہنچتے ایک بڑی تعداد حضرت علیؓ سے جدا ہوگئی۔ یہی لوگ خوارج کہلاتے ہیں۔

صاحب تاریخ امم اسلامیہ کہتا ہے کہ رمضان ۳۷ھ میں دومتہ الجندل کے مقام پر ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص نے باہمی بحث و مباحثہ کے بعد طے کیا کہ علیؓ اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے کسی اور کو خلیفہ بنا لیا جائے۔ چنانچہ عمرو بن العاص نے مسلمانوں کے سامنے ابو موسیٰ اشعری سے یہ اعلان کرادیا کہ "میں علیؓ اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں مسلمان اتفاق رائے سے کسی اور کو خلیفہ بنالیں"۔ اس کے بعد عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا "جہاں تک علیؓ کے معزول کرنے سے تعلق ہے۔ مجھے ابوموسیٰ اشعری کی رائے سے اتفاق ہے لیکن میں اس منصب پر معاویہ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ خلیفہ مقتول حضرت عثمانؓ کے ولی اور ان کی جانشینی کے حقیقی مستحق ہیں"۔ عمرو بن العاص کے اس اعلان سے بہت سے مسلمان بگڑ گئے اور جھگڑا بڑھنے لگا مگر عمرو بن العاص اپنے ساتھیوں کو لیکر شام آگئے۔

۳۸ھ خوارج سے جنگ

خوارج نے ۳۷ھ میں کوفہ چھوڑ دیا تھا اور مقام حروراکو اپنا مرکز قرار دیا تھا حضرت علیؓ نے پہلے عبداللہ بن عباس کو بھیجا اور پھر خود تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر کوفہ لے آئے اب جو کوفہ پہنچ کر لوگوں نے عمرو بن العاص کے فیصلہ کا اعلان کیا تو حضرت علیؓ نے معاویہ سے جنگ کی تیاری پھر شروع کی۔ اس فیصلہ سے خوارج پھر برہم ہوگئے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر کوفہ سے چلے گئے اور مقام نہروان کو اپنا مرکز بنایا حضرت علیؓ نے کافی فوج جمع کر کے انھیں پھر منانا چاہا مگر وہ نہ مانے بلکہ حضرت علیؓ کے خلاف فوجیں جمع کیں یہاں تک کہ جب ستر ہزار آدمی جمع ہوگئے تو لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ اس سے حضرت علیؓ کے لشکر میں پھر انتشار شروع ہوا تو آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ "شام کی مہم کو فی الحال ملتوی کر کے خوارج کے فتنہ کا خاتمہ کردیا جائے"۔ چنانچہ تین چار مقامات پر ان کو شکست دی اور ان میں مقابلہ کی قوت نہ رہی۔

۲۳۔ بی بی زینبؓ کا کوفہ میں قیام اور مجالس درس و وعظ

۳۷ھ میں جب حضرت علی رضؓ کوفہ تشریف لے آئے تو اُن کے ہمراہ بی بی زینبؓ اور اُن کے شوہر بھی آ گئے۔

کوفہ پہنچ کر بی بی زینبؓ نے درس و وعظ کی مجلس روزانہ منعقد کی اور بعد نمازِ ظہر قرآنی احکام و ارشاداتِ نبویؐ کی تفسیر و تشریح سے خواتین کو مستفید فرماتی رہیں۔ بی بی زینبؓ کی فصاحت اور شیریں بیانی کا ڈنکہ مدینہ میں بج رہا تھا۔ کوفہ میں بہت سی خواتین ان کی مشتاق تھیں، یہاں پہنچیں اور روزانہ مجلس وعظ منعقد کی تو خواتینِ کوفہ پروانہ وار گریں۔ ہر مجلس میں کثیر تعداد میں خواتین شریک ہوتیں اور بی بی زینبؓ کا بیان جو تاثیر اور درد سے لبریز ہوتا۔ پوری توجہ سے سنتیں۔ اُن کے دلوں پر ان مواعظ اور ارشادات کا گہرا اثر پڑتا۔ جو عورتیں ان کا بیان سنتیں حضرت علی رضؓ اور اہلبیت نبویؐ کی سچی عقیدت مند ہو جاتیں۔ ان کی ہر ممکن اعانت اپنا فرض سمجھتیں اور اپنے مردوں کے خیالات کی اصلاح کرتیں۔ مدینہ کی طرح کوفہ میں بھی بی بی زینبؓ کے وعظوں کی وجہ سے تھوڑی ہی مدت میں حضرت علی رضؓ کے ہمدردوں کی تعداد میں بہت کافی اضافہ ہو گیا۔

ایک روز کھیٰعص کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ حضرت علی رضؓ تشریف لے آئے فرمایا "میں نے سنا تم عورتوں کے سامنے کھیٰعص کی تفسیر بیان کر رہی ہو" عرض کیا "جی ہاں ابا جان۔ آپ پر میری جان قربان!" حضرت علی رضؓ نے فرمایا "جانِ پدر! یہ جملہ ایک رمزِ الٰہی ہے جس سے اس مصیبت کا اظہار ہوتا ہے جو خاندانِ نبوتؐ میں واقع ہوگی"۔ یہ سُنکر حضرت زینبؓ دیر تک روتی رہیں۔

کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ درس و ارشاد کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہا لیکن قیاس کہتا ہے کہ حضرت علی رضؓ کی شہادت تک ضرور جاری رہا۔ اور یہ خیال اس وجہ

سے صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں حضرت علی رضہ کی مالی اور فوجی طاقت بہت بڑھ گئی تھی وہ خوارج کو ہر موقع پر شکست دے کر تقریباً ان کا خاتمہ کر چکے تھے اور شام کی مہم کی تیاریاں ہو رہی تھیں لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا۔

۲۴- باپ کی شہادت

رمضان ۴۰ھ کی ۱۷ تاریخ تھی کہ حضرت علی رضہ مسجد میں تشریف لائے اور ایک سازش کے تحت ایک شخص ابن ملجم خارجی نے اس زور کی تلوار ماری کہ خون میں نہا گئے۔

دوسرے روز یعنی ۱۸ رمضان کو جب زخم کی تکلیف نے جان پر بنا رکھی تھی۔ بی بی زینب رضہ کو پاس بٹھا کر فرمایا "میں اب چند ساعت کا مہمان ہوں۔ باپ کی موت تیرا کلیجہ توڑ دے گی، مگر یہ وہ ورثہ ہے جو آدم سے شروع ہو کر ہر شخص کو مل رہا ہے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات صرف خدائے واحد کی ہے۔ جس دنیا نے خدا کے رسول سے وفا نہ کی وہ علی رضہ سے کیا وفا کرتی مگر میں خوش ہوں کہ میری زندگی بھی خدا کے لئے تھی اور موت بھی خدا کے لئے ہے البتہ بشریت تم بچوں کی بے کسی پر دل کڑھا رہی ہے اور افسوس اس بات کا ہے کہ میں اپنے بچوں کو دشمنوں میں چھوڑ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ زینب رضہ جیسی بہنیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں مگر مجھ کو اندیشہ ہے کہ میری آنکھیں بند ہوتے ہی پاؤں تلے کی چیونٹی بھی حسنین رضہ کی دشمن ہوگی۔ اور نہ جانے انھیں معاویہ کے ہاتھوں کیسی کیسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔ اس وقت میری جان سے زیادہ عزیز بیٹی! مجھے یقین ہے کہ تو بھائیوں کے لئے سپر کا کام کرے گی اور حسنین رضہ کی وہ نگاہیں جو ماں باپ کی صورتوں کو ڈھونڈیں گی۔ انھیں تیری صورت میں ماں کی شفقت اور باپ کی محبت نظر آئے گی۔" بی بی زینب رضہ یہ کہہ کر چمٹ گئیں "بابا جان ہمیں تنہا نہ چھوڑیئے۔ اماں کے بعد زندگی کا سہارا آپ تھے۔ آپ کے بعد اب اللہ ہی اللہ ہے۔" اب امیر علیہ السلام نے حسنین رضہ کو بلایا اور کہا "زینب اور ام کلثوم رضہ ان دونوں

بہنوں کے میرے بعد تم بھائی ہی نہیں باپ بھی ہو۔ خیال رکھنا میری بچیوں کے دل میلے نہ ہوں۔ کوئی خطا ہو تو معاف اور کوئی غفلت ہو تو درگزر کرنا۔ تمہاری طرف سے ان کو معمولی سا رنج بھی پہنچا تو تمہاری ماں اور باپ کی روحیں تڑپ جائیں گی۔ آثار کہہ رہے ہیں کہ دشمنوں کی طرف سے تمہیں سخت اذیتیں پہنچیں گی مگر خبردار استقامت اور صداقت میں ذرّہ برابر فرق نہ آئے۔ اور کبھی بھول کر بھی کوئی ایسا قدم نہ اُٹھانا جو اسلام کے خلاف ہو۔"
اس گفتگو کے بعد شیرِ خدا نے دُنیا میں ایک رات اور گزاری اور ۱۹۔ رمضان کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔
یہ شہادت کسی معمولی انسان کی نہیں۔ اس شخص کی تھی جس نے قصرِ اسلام کی بنیادیں مستحکم کرنے میں بانیٔ اسلام صلعم کی مدد اپنی بساط سے بڑھ کر کی اور اتنی کی کہ اس کی نفس کشی اور جراٴت وہمت پر انسانیت انگشت بدنداں ہے۔ یہ وہ مسلمان تھا جس نے سرورِ کائنات کی رسالت کی تصدیق بچوں میں سب سے پہلی کی اور ہجرتِ نبوی کے وقت رسول کے بستر پر لیٹ کر اپنے آقا و مولا کی جان بچانے کے لئے اپنی جان موت کے منہ میں ہنسی خوشی ڈال دی۔ یہ وہ انسان تھا جس نے بھوکوں کے پیٹ اس حالت میں بھرے کہ اس کی بیوی کو کئی کئی وقت کا فاقہ ہوتا اور اس کے بچے بھوکے سوتے تھے۔ اس نے ننگوں کو کپڑے پہنائے اس وقت جب اس کے اور اس کے بیوی بچّوں کے جسم پر پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی کافی نہ ہوتے تھے۔ یہ اندھوں کی آنکھیں تھا۔ لنگڑوں کی ٹانگیں، ٹنڈوں کا ہاتھ اور اپاہجوں کا جسم جس کی زندگی خدا کی ناچار، عاجز اور مجبور مخلوق کی خدمت کے لئے وقف تھی!!
جس کی فصاحت اور بلاغت کا سارے عرب میں ڈنکا بج رہا۔ جس کی شجاعت کے دشمن بھی معترف اور جس کے ایثار نے غیروں کو حیرت میں ڈال رکھا تھا۔ یہ وہ علی مرتضیٰ حیدرِ کرار تھے۔ خدا کا شیر رسولؐ کا داماد سیدہ کا شوہر زینبؑ کا باپ وہ انسان تھا جس کی تعظیم خدا کے رسولؐ نے اور جس کا احترام ابوبکر صدیقؓ نے کیا۔ جس کے تدبر، حق شناسی اور معاملہ فہمی پر عمر فاروقؓ کی زبان سے خراجِ تحسین ادا ہوا اور جس نے خلافتِ عثمانی کو کامیاب بنانے

کے لیے انتہائے خلوص اور صداقت کے ساتھ ہر امکانی اور ہر انسانی کوشش کی۔

شیر خدا کی شہادت بی بی زینبؓ کی زندگی کا تیسرا زبردست صدمہ تھا نانا اور ماں کی رحلت کے وقت ان کا سن زیادہ نہ تھا لیکن باپ کی موت کا انھیں سخت صدمہ پہنچا اور بالخصوص اس حالت میں جب کہ وہ اپنے باپ کی خلافت کو قائم اور کامیاب بنانے میں اپنی پوری قوت علم و عمل سے کوشاں تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنی خلافت کے آغاز میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرات حسنینؓ اور بی بی زینبؓ نے ان دقتوں اور پریشانیوں کے دور کرنے میں نمایاں حصّہ لیا۔ جو امیدیں بی بی زینبؓ کے دل میں پرورش پا رہی تھیں شیر خدا کی شہادت نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ وہ تین سال تک کوفہ کی خواتین میں اپنے مواعظ اور ارشادات سے اسلام کو اصلی اور حقیقی صورت میں پیش کرتی اور خواتین کے ذریعہ مردوں کو اسلام کی تعلیم سے آگاہ کرتی رہیں۔ اور قریب تھا کہ ان کی جدوجہد پوری طرح کامیاب ہو جائے اور اہل عراق حضرت علیؓ کی کوششوں میں اپنی جان کی بازی لگا دیں اور چوتھی خلافت کے ستون مضبوط ہو جائیں کہ ابن ملجم نے انکی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

فاطمۃ الزہرا کی رحلت ۱۱ھ میں ہوئی اور شیر خدا ۴۰ھ میں شہید ہوئے۔ یہ انتیس ۲۹ سال کا درمیانی زمانہ بی بی زینبؓ کی زندگی کے مختلف مناظر پیش کر رہا ہے۔ ابتدا میں وہ سوتیلی ماں کی نگرانی میں ایک اطاعت شعار اور فرمانبردار بیٹی کی طرح زندگی بسر کرتی ہیں اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ام البنین ان کی سوتیلی ماں ہیں یا بی بی زینبؓ نے سوتیلی ماں کو ایک لمحہ کے لئے بھی غیر یا سوتیلی ماں سمجھا ہو۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایک گھر کی نگراں اور منتظم قرار پاتی ہیں۔ اور بہن بھائیوں کے ساتھ انتہائی محبت اور خدمت کی زندگی گزارتی ہیں۔ زندگی کے اس دور میں بھی کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جو قلوب میں تلخی یا ناگواری پیدا کر سکتا اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب وہ شوہر کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں اور اتنی اچھی کہ حضرت عبداللہ کو کبھی ان سے شکایت نہیں ہوئی اور وہ شوہر کی خوشنودی

اور رضامندی حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوتی ہیں۔ اس کے بعد کوفہ کا زمانہ آتا ہے جب وہ مواعظ اور ارشادات سے ایک طرف اسلام کی حقیقی خدمت انجام دیتی ہیں تو دوسری طرف سیاست میں بھی باپ کی پوری طرح مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ علیؓ جیسے باپ کا سایہ زینبؓ جیسی بیٹی کے سر سے اُٹھ جانا معمولی حادثہ نہ تھا۔ باپ کی شہادت سے ان کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

۲۵۔ امام حسنؓ کی خلافت اور دست برداری

ابن خلدون لکھ رہا ہے کہ حضرت علیؓ کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے فارغ ہو کر ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو کوفیوں نے حضرت امام حسنؓ سے بیعت خلافت لینے کی درخواست کی۔ امام حسنؓ نے تامل فرمایا مگر کوفیوں کے اصرار پر فیصلہ دوسرے دن کے لئے رکھا اور بی بی زینبؓ اور امام حسینؓ اور دوسرے عزیزوں سے مشورہ کیا۔ بی بی زینبؓ باپ کی شہادت سے بے حد غمگین تھیں تاہم انھوں نے تمام معاملات پر غور کر کے بھائی کو نہ صرف مشورہ دیا۔ بلکہ اصرار کیا کہ وہ خلافت قبول کر لیں۔ چنانچہ ۲۲۔ رمضان کو کوفیوں نے حضرت امام حسنؓ کو اپنا خلیفہ بنا لیا اور چند روز سکون سے گزرے۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ کوفی سکون و طمانیت پسند نہ تھے وہ امام حسن کی خاموشی سے خوش نہ ہوئے اور مطالبہ کیا کہ لشکر جمع کر کے شام پر حملہ کیا جائے اور ملک امیر معاویہ سے چھین لیا جائے۔ امام حسنؓ جنگ و جدل پسند نہ کرتے تھے اور بی بی زینبؓ نے بھی اس مطالبہ سے اتفاق نہ کیا۔ لیکن کوفیوں کا اصرار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ مجبور ہو کر امام حسنؓ نے لشکر فراہم کیا اور مدائن کی طرف سے بڑھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہ کو حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر ہوئی تو انھوں نے تمام صوبوں سے باقاعدہ اپنی خلافت پر بیعت لی اور لشکر لے کر عراق کی طرف بڑھے۔ فریقین مقابلے کی تیاریوں میں مصروف

تھے کہ امام حسنؓ کے لشکر میں کسی نے یہ غلط خبر اڑا دی کہ مقدمۃ الجیش کے افسر قیس بن عبادہ کو مار ڈالا گیا۔ اس خبر نے امام حسنؓ کے لشکر میں اضطراب پیدا کر دیا۔ اور بجائے تحقیق کرنے کے لشکر میں لوٹ مار شروع ہو گئی اور شرارت پسندوں کی ایک جماعت حضرت امام حسنؓ کے خیمہ میں گھس گئی۔ ان کو مصلے پر سے گھسیٹ لیا۔ جسم سے چادر اتار لی اور ایک شخص نے ان کی ران پر نیزہ مارا مگر اس اثنا میں دوسرے لوگ آ گئے اور مفسدوں کو بھگا دیا۔

اس واقعہ سے امام حسنؓ اس قدر متاثر ہوئے کہ ترک خلافت کا ارادہ کر کے امیر معاویہ کو ایک خط لکھا کہ جس کا جواب امیر معاویہ نے یہ دیا کہ آپ جو شرائط چاہیں لکھ کر بھیج دیں میں منظور کر لوں گا۔ چنانچہ انھوں نے یہ شرائط لکھیں :-

"عراق میں امن عامّہ کا اعلان کیا جائے۔ پچھلی لڑائیوں کا کسی متنفس سے انتقام نہ لیا جائے۔ میرے اہل و عیال کے وظیفے کر دیئے جائیں اور میرے باپ کے متعلق کوئی نامناسب لفظ نہ کہا جائے۔"

اعثم کوفی اور بعض مؤرخین کہتے ہیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ "جب امیر معاویہ کی وفات کا وقت آئے تو کسی کو ولی عہد مقرر نہ کرے۔ بلکہ مسلمان جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔"

ابن خلدون اور دوسرے مؤرخین تحریری شرائط میں اس کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ البتہ بعض مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ "ممکن ہے زبانی اس قسم کی بھی کوئی شرط رکھی ہو مگر تحریر میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔"

حضرت امام حسنؓ کی صلح اور خلافت سے دست برداری نے بظاہر اس فتنہ کو ختم کر دیا۔ جو دس سال سے اسلامی ممالک میں جاری تھا۔ مگر بنو ہاشم امام حسنؓ کے فیصلہ سے ناخوش ہو گئے بی بی زینبؓ نے بھی بھائی کے اس فیصلہ کو پسند نہ کیا۔ بلکہ ان کو عمر میں یہ چوتھا زبر دست صدمہ پہنچا تھا۔ مدینہ اور کوفہ میں صرف انھیں کی جدوجہد سے خلافت کی استواری اور استحکام میں غیر معمولی مدد ملی تھی۔ انھیں کے مواعظ نے جو فصاحت و بلاغت کے

ساتھ ناقابلِ تردید دلائل سے مرصّع ہوتے تھے۔ حضرت علیؓ کے جاں نثاروں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا تھا۔ لیکن ادب و احترام کے پیش نظر اور انتہائے محبت کی بنا پر اُن کی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا جو بھائی کو ناگوار گزرتا۔

۲۶۔ امام حسنؓ کی شہادت اور بی بی زینب پر اُس کا اثر

امیر معاویہ اچھی طرح جانتے تھے کہ امام حسنؓ کی طبیعت نہایت امن پسند اور صلح کل ہے اور یہ بھی وہ سمجھ رہے تھے کہ امام حسنؓ قول دے کر اس سے نہ پھریں گے اور جو کچھ طے کر چکے اب اس میں فرق نہ آئے گا۔ پھر بھی انھیں یہ کھٹکا رہا کہ بنو ہاشم ان کی آڑ میں کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دیں۔ بعض مورخین کی رائے تو یہ ہے کہ اُن کے دل میں جو کھٹکا تھا اُسے دور کرنے کے لئے جعدہ کے ذریعہ جو امام حسنؓ کے نکاح میں تھی۔ امیر معاویہ نے فاطمۃ الزہراؓ کے لختِ جگر کو زہر دلوایا۔ لیکن بعض مورخین کا بیان ہے کہ امام حسنؓ کو زہر امیر معاویہ کے اشارے سے نہیں مروان کی شرارت اور بنو فاطمہؓ کی دشمنی کی وجہ سے دیا گیا۔ اور امیر معاویہ اس معاملہ میں بے قصور ہیں۔

بعض مورخین یہ بھی کہتے ہیں "امام حسنؓ کو زہر یزید نے دلوایا لیکن یہ بیان اس لئے غلط ہے کہ یزید ۶۰ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ اور امام حسنؓ کو ۴۹ھ میں زہر دیا گیا۔ جب یزید کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔"

جس بیٹی کو اس کے بچپن میں ماں نے رحلت سے چند گھنٹے قبل یہ سمجھایا تھا کہ "میرے بعد حسنینؓ کی ماں بھی تم ہو اور بہن بھی" جو تمام عمر ماں کے ان الفاظ کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بھولی اور بھائیوں کی عاشق زار رہی۔ جو شادی کے بعد بھی شوہر کی بیوی اور بچوں کی ماں ہونے کے باوجود بھائیوں کی خدمت سے کبھی غافل نہ رہی۔ جس کے بھائی مدینہ سے کوفہ گئے تو شوہر اور بچوں کو لے کر ان کے ساتھ گئی اور تین سال بعد

جب مدینہ واپس آئے تو ان کے ساتھ واپس آگئیں جس نے تمام عمر بھائیوں سے جدائی گوارا نہ کی۔ اس کے بھائی کی شہادت، اس کے لئے دنیا کا کتنا بڑا سانحہ تھا۔ اور اس کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ اس کا اندازہ آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ پانچواں جاں گداز صدمہ تھا جس نے بی بی زینب کو بالکل مضمحل کر دیا۔ اور وہ ہر وقت رنجیدہ اور افسردہ رہنے لگیں۔ اور ان کے اعصاب پر یہ اثر پڑا کہ اپنی عمر سے زیادہ معلوم ہونے لگیں۔

۲۷۔ امیر معاویہ کی وفات سے قبل

امام حسن رضؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ گیارہ سال زندہ رہے اور اس مدت میں متعدد اہم واقعات پیش آئے۔ ان میں سب سے اہم واقعہ جو حیات زینب سے تعلق رکھتا ہے یہ ہے کہ انھوں نے یہ کوشش کی کہ اپنے سامنے اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنا دیں اور اس کے لئے بیعت لی جائے۔ اس سلسلہ میں اس نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ یزید کے لئے بیعت لے۔ حضرت امام حسین رضؓ کو جس وقت یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اپنی بہن بی بی زینبؓ سے اس کا ذکر کیا۔ بی بی زینبؓ نے فرمایا کہ "جمہوریت کو بادشاہت میں تبدیل کر دینا ہرگز اسلامی اصول نہیں"۔ چنانچہ خلیفۂ چہارم کے بیٹے امام حسین رضؓ نے بیعتِ یزید سے صاف انکار کر دیا۔ اسی طرح خلیفۂ اول کے بیٹے عبدالرحمٰن اور خلیفۂ دوم کے بیٹے عبداللہ اور حضرت زبیر رضؓ کے بیٹے عبداللہ نے بھی مخالفت کی۔ مصنف تاریخ امم اسلامی کی رائے ہے کہ امیر معاویہ نے مدینہ کی مخالفت کی پروا نہ کی۔ اور دوسرے ملکوں میں اس تحریک کو جاری رکھا۔ اور حج کے بہانہ مدینہ پہنچ کر یزید کے علم و فضل اور سیاست کا پروپگنڈا کیا۔ اہل مدینہ نے جواب میں صرف یہ کہا کہ "امام حسین رضؓ۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ مکہ میں ہیں۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو ہم کو بھی تامل نہ ہوگا۔"

یہ سنکر امیر معاویہ مکہ پہنچے۔ اور حج سے فارغ ہوکر مذکورہ بالا اصحاب سے گفتگو کی۔ اور سب نے انکار کر دیا۔ اب امیر معاویہ نے ان اصحاب کی نگرانی پر اپنی محافظ فوج کے آدمیوں کو لگا دیا۔ اور حرم میں داخل ہوکر حاضرین سے کہا کہ اکابر مدینہ نے یزید کی بیعت کرلی ہے۔ تم لوگ بھی کرلو۔ چنانچہ سب نے بیعت کرلی۔ اور امیر معاویہ شام چلے گئے۔

امیر معاویہ کی اس کارروائی کا علم جب اصحاب ثلاثہ کو اور مدینہ میں بنو ہاشم کو ہوا تو بی بی زینب رض نے جو امیر معاویہ کی سیاست کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کر رہی تھیں ایک تقریر میں صاف صاف کہہ دیا کہ امیر معاویہ خلیفہ کے انتخاب میں ان طریقوں سے کام لینا نہیں چاہتے جن سے خلفائے راشدین کے انتخاب میں کام لیا گیا تھا۔ بلکہ خلافت کو سلطنت میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔

باب پانچواں

واقعۂ کربلا

۲۸ - معرکۂ کربلا سے پہلے

معرکۂ کربلا اسلامی تاریخ کا سب سے دردناک اور خونیں حادثہ اور حیاتِ زینب رض کا سب سے اہم واقعہ ہے جس کا سبب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ امیر معاویہ کے بیٹے یزید کی بیعت سے امام حسین نے انکار کیا اور یہ انکار ان کی اور ان کے ہمراہیوں کی شہادت کا باعث ہوا۔ مگر اس ایک سبب کی تہہ میں بہت سے اسباب تھے جنھوں نے قصرِ اسلام کی بنیادیں ہلا ڈالیں اور اس شجرِ بارآور کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیا تھا۔ مصنف سیّدہ کے لال نے ان تمام واقعات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے جن سے مسلمانوں کا آپس کا اختلاف بتدریج ترقی کرتا اور دلی رنجشیں جڑ پکڑتی رہیں۔ ہمیں ہاشم اور اُمیہ تک جانے کی ضرورت نہیں صرف اُن واقعات کا خلاصہ پیش کر دیتے ہیں جو جناب زینب کی زندگی میں پیش آئے اگرچہ

بی بی زینبؓ کی ذات سے براہ راست ان واقعات کا تعلق نہیں لیکن انھیں میدان کربلا میں اور اس کے بعد جو کچھ دیکھنا پڑا۔ وہ نتیجہ تھا نہ صرف اسی اختلاف اور دلی کدورتوں کا بلکہ شعلے تھے اس آگ کے جو منافقوں اور مفسدوں نے برسوں سے لگا رکھی تھی۔

(۱) ااھ میں رحلت سے چند دن قبل جب رسالتمآب کی علالت زور پکڑ گئی تو ابن عباس رضؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "کاغذ لاؤ میں تم کو کچھ لکھ دوں تاکہ میرے بعد تم آپس میں نہ لڑو" حضرت عمر فاروقؓ نے کہا "رسول اللہؐ کو تکلیف زیادہ ہے۔ اس لئے یہ فرما رہے ہیں۔ وصیت کی ہم کو ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے کلام اللہ کافی ہے" جو لوگ موجود تھے ان میں سے بعض نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ "اہلبیت" کا خیال تھا کہ سرورِ عالمؐ ہمارے واسطے کچھ لکھوانا چاہتے ہیں۔ اس بحث نے طول کھینچا تو سرورِ عالمؐ نے فرمایا "تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ" لیکن ابن عباس نے حضرت علیؓ سے کہا "تم مسئلہ خلافت کو رسول اللہؐ سے طے کر لو" حضرت علیؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور انھوں نے فرمایا "میں کس دل سے رسول اللہؐ سے یہ سوال کروں"

اب ایک فریق کی تو رائے یہی تھی کہ حضرت عمرؓ کی تجویز نے حضرت علیؓ کی حق تلفی کی کیونکہ منصب خلافت کے حق دار شیرِ خدا تھے۔ دوسرے فریق کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ کی رائے نہایت معقول تھی۔ کلام اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور رسول اللہؐ کو زیادہ تکلیف دینی مناسب نہ تھی۔

رسالت مآب کی حالت جب اور زیادہ بگڑی تو ام المومنین عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ "اپنے باپ سے کہو میری جگہ نماز پڑھائیں" حضرت عائشہ نے جواب دیا "میرے باپ کمزور دل کے انسان ہیں آپ کی جگہ خالی نہ دیکھ سکیں گے کسی اور کے لئے ارشاد فرمایئے" رسول اللہ نے پھر اصرار کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے پانچ وقت نماز پڑھائی بعض

مسلمانوں کا خیال تھا کہ حضرت عائشہ کا جواب دل سے نہ تھا۔ اپنے باپ کی محبت ظاہر کر کے اس ارشاد کی تاکید کرانا چاہتی تھیں۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ رحلت کے وقت سرورِ کائنات کا سر مبارک ام المومنین عائشہ صدیقہ رضہ کی گود میں تھا اور وہ اس پر فخر کرتی ہیں لیکن بعض مورخین لکھ رہے ہیں کہ جب حضور اکرم کی روح نے پرواز کی تو سرِ مبارک حضرت علی رضہ کی گود میں تھا۔ اور فاطمۃ الزہرا رضہ برابر بیٹھی تھیں۔

(۲) رسولِ اکرم کی رحلت کی خبر پھیلتے ہی انصار نے ایک جلسہ کیا تاکہ اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضہ اس جلسہ میں پہنچے۔ حضرت ابوبکر رضہ نے تقریر کی اور حضرت عمر رضہ نے ان کی خلافت کی تجویز پیش کی جس کی متفقہ تائید ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہو گئے۔ خلافت کے انتخاب کے بعد رسول اکرم کے جسم اطہر کی تدفین عمل آئی۔

مسلمانوں کے ایک فریق کا اعتراض یہ ہے کہ ابوبکر رضہ، عمر رضہ کو خلافت کی ایسی جلدی تھی کہ رسول اللہ کی تدفین کی بھی پرواہ نہ کی اور چوبیس گھنٹے تک میت پڑی رہی۔ دوسرا فریق اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ فوراً ہی خلافت کا فیصلہ نہ ہوتا تو خدا معلوم کتنے گروہ ہو جاتے اور ہر گروہ کا ایک ایک خلیفہ ہوتا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ یہ انتخاب ابوبکرؓ و عمرؓ کی ملی بھگت تھی۔ حق دار حضرت علی رضہ تھے۔ رائے عامہ سے انتخاب ہوتا تو وہی منتخب ہوتے حضرت علی رضہ جنازہ نہ چھوڑ سکتے تھے اسی وجہ سے جلدی کی گئی۔ دوسرے مورخین یہ جواب دیتے ہیں کہ اس وقت اگر حضرت علی رضہ کو خلافت مل جاتی تو بنو ہاشم سے چونکہ بنو امیہ کی خاندانی عداوت چلی آرہی تھیں اس لئے وہ فتنہ برپا کرتے۔ حضرت علی رضہ کے ہاتھوں ہزاروں لوگ مارے گئے تھے ان کی اولاد حضرت علی رضہ سے انتقام لیتی اور اس طرح اسلام کو نقصان پہنچتا۔

(۳) فدک مدینہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ جسے رسول اللہ نے اپنے لئے مخصوص

کر رکھا تھا یعنی جو کھجوریں اور اناج فدک سے آتا۔ اس میں سے اپنے گھر والوں کے لئے
رکھ کر مسافروں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے۔ رحلت رسولؐ کے بعد بعض لوگوں نے سیدۃ
النساءؓ سے کہا کہ فدک رسول اللہ کی ذاتی ملکیت ہے اور سوائے آپ کے کوئی اس کا
وارث نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ اول نے فرمایا کہ " رسولؐ کی بیٹی آپ کا دعوےٰ میراث اس
وجہ سے صحیح نہیں کہ انبیاء کا ورثہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ کے یہ الفاظ آپ کو یاد ہونگے۔
"لا یورث نحن الانبیاء"

بعض مورخین کی رائے ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ نے پہلے تو حضرت علی رضؓ کا حقِ
خلافت غصب کیا۔ اس کے بعد ستر ہزار کی جاگیر جس کی وارث تنہا فاطمۃ الزہرا تھیں
غصب کر کے امیر علیہ السلام اور سیدۃ النساء کے ساتھ انتہائی بے انصافی برتی۔ اس کے
جواب میں بعض مورخین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ان الفاظ کے علاوہ کہ انبیاء کی میراث
نہیں ہوتی۔ رسول اکرمؐ کی مالی حالت کبھی اچھی نہ ہوئی۔ مسلسل کئی کئی دن فاقے کئے اور
پیٹ سے پتھر باندھے ہیں۔ مسلمانوں کی ضروریات کے لئے آئے دن ضرورت ہوتی تھی۔
مسلمان فاقے کرتے اور جو کچھ انھیں نصیب ہوتا رسول اللہ کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔
ایسی حالت میں ستر ہزار کی جاگیر اگر اپنی بیٹی کو رسول اللہ دے جاتے تو شانِ رسالت میں
فرق آتا۔ اگر سرورِ عالمؐ کی مالی حالت کسی وقت بھی بہتر ہوتی تو سیدۃ النساء کی ساری
عمر فقر و فاقہ میں نہ گزرتی۔ فدک کا مسئلہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں پھر اٹھا مگر اس کتاب سے تعلق نہیں۔

(۴) ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیق کا انتقال ہوا تو ان کی وصیت کے مطابق
حضرت عمر رضؓ مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمر رضؓ اور ان کی خلافت سے مسلمانوں کے
ایک فریق کو کچھ شکایات ہیں جو بتا رہی ہیں کہ مسلمانوں میں اختلاف کس قدر ترقی کر رہا تھا ہم
صرف چند واقعات پیش کرتے ہیں۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؑ
کے آپس میں کیا تعلقات تھے۔ اور حضرت علی رضؓ اور اہلبیت رسولؐ کی حضرت عمر رضؓ کی نظر

میں کس قدر وقعت تھی۔ (ل) خلیفہ اول نے خلافت کے وقت حضرت عمرؓ کو وصیت کی تھی کہ سب سے پہلے لشکر جمع کر کے عراق روانہ کرنا۔ حضرت عمرؓ نے حج سے واپس آکر لشکر جمع کیا اور ۱۳ھ میں خود اس کی سرداری کر کے اور اپنی جگہ حضرت علیؓ کو مقرر کرنے کے ارادہ سے لشکر لے کر شہر سے نکلے۔ آپ کی تجویز کی سب نے تائید کی۔ مگر حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو مدینہ چھوڑنے سے روکا اور ان کی عدم موجودگی کے نقصانات سے آگاہ کیا حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ (ب) جب حضرت عمرؓ بیت المقدس تشریف لے گئے تو اپنی جگہ حضرت علیؓ کو مقرر کیا۔ (ج) ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوجی نظام درست کیا اور وظائف اور تنخواہوں کا دفتر بنایا۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ وظائف کا سلسلہ اپنی ذات سے شروع کیجئے۔ اس لئے کہ خلیفہ سب سے برتر حق رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا نہیں وظائف کا سلسلہ رسولؐ کے چچا سے شروع کرو اور جو لوگ رسولِ اکرمؐ سے جس قدر قرابت رکھتے ہوں۔ درجہ بدرجہ ان کے وظائف مقرر کرو۔ چنانچہ اہلبیت کے گرانقدر وظیفے مقرر کئے گئے۔ (د) فتح ایران کے بعد یزدگرد کی بھانجی نوشیرواں کی پوتی شہربانو جب گرفتار ہو کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کی گئیں اور ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ اس کے حصہ میں آئیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "اب تک تم دنیا کی شہزادی تھیں مگر میں آج تم کو دین کے شاہزادے کے سپرد کرتا ہوں"۔ چنانچہ شہربانو کا امام حسینؓ سے نکاح ہوا۔[1] (ھ) ۳۵ھ میں حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں ایک روز رات کے وقت گلیوں میں گشت کر رہے تھے۔ مسجدوں میں تراویح کی روشنیاں ہو رہی تھیں کہ فرمایا "خدا عمرؓ کی قبر کو ایسا ہی روشن کرے جیسا وہ خدا کے گھر روشن کر گیا"۔

(۵) ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کے بعد خلافت کے لئے حضرت عثمانؓ کے انتخاب کو باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ نے بیعت کر لی تھی بعض مسلمانوں نے پسند نہ کیا اور

[1] بعض مورخین اس واقعہ کو خلاف تاریخ قرار دیتے ہیں۔

جب حضرت عثمان رضؓ نے عبداللہ بن عمر سے قصاص لینے کی بجائے اپنے پاس سے خونبہا ادا کیا تو وہ اور بھی بددل ہو گئے۔ عبداللہ حاکم مصر کی شرارتوں سے بھی مسلمان نالاں تھے۔ ابوذر غفاری رضؓ کو شام سے بلا کر حضرت عثمان رضؓ کا انھیں ناراض کر دینا یہ بھی بہت سے مسلمانوں کو شاق گزرا۔ پھر حضرت عثمان رضؓ کی انگلی سے اس انگوٹھی کا جس میں رسالتمآب کی مُہر تھی۔ کنویں میں گرنا اور حاکم مصر عبداللہ کا ایک تقریر میں بنو ہاشم کے لئے نہایت سخت الفاظ کہنے یہ دو باتیں بھی ایسی تھیں جن سے خلیفہ کے خلاف مسلمانوں کی ایک جماعت میں جوش پھیل گیا (تفصیلات دیکھئے صفحہ ۷۵ پر) حضرت عثمان رضؓ کا عبداللہ کی معزولی پر رضامند ہو کر محمد ابن ابوبکر کے تقرر کا حکم دینا مگر حضرت عثمان رضؓ کے غلام کا پکڑا جانا اور اس کے پاس سے حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے ایک خط نکلنا جس میں درج تھا کہ محمد بن ابوبکر کو قتل کر دیا جائے اور باغیوں کو سزا دی جائے۔ حضرت عثمان رضؓ کا اس خط سے لاعلمی ظاہر کرنا۔ اور مسلمانوں کا اس پر یقین کر کے یہ سمجھنے کے بعد کہ یہ شرارت بھی مروان کی تھی حضرت عثمان رضؓ سے اس کو مسلمانوں کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کرنا اور ان کا خوفِ خدا یا نرم دلی کی وجہ سے انکار کرنا۔ یہ سب باتیں بھی ایسی تھیں، جن سے مفسدوں کو فتنہ پردازی کے شعلے بھڑکانے کے موقعے ملے۔ اور بہت سے مسلمان کھلم کھلا امیرالمومنین کے خلاف ہو گئے اور باوجودیکہ حضرت علی رضؓ اور حضرت امام حسن رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کی حمایت اور مدد کی منافقوں اور مفسدوں نے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر کے دانہ پانی بند کر دیا۔ پتھر پھینکے آگ لگائی اور اس وقت جب امام حسن رضؓ اور امام حسین رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے گھر کا پہرہ دے رہے تھے۔ دوسری طرف سے اس طرح داخل ہو کر کہ حسنین رضؓ کو خبر بھی نہ ہوئی حضرت عثمان غنی رضؓ کو شہید کر دیا (دیکھئے صفحات ۵۸ تا ۵۹) اس شہادت پر پہلی دفعہ مسلمانوں میں آپس میں تلوار چلی تھی۔

(۶) جنگ جمل ۳۶ھ مسلمانوں کا ایک فریق قاتلانِ عثمان سے قصاص نہ لینے

پر حضرت علی رضؓ سے ناراض ہوگیا۔ مروان نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ کو بہکایا۔ اور حضرات طلحہ اور زبیر رضؓ کی رائے میں قصاص ضروری تھا۔ منافقوں کی دوسری جماعت نے حضرت علی رضؓ کو آمادۂ جنگ کیا۔ لڑائی میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا دلی کدورتوں نے اور ترقی کی اور مستقبل کے لئے دردانگیز نتائج چھوڑے (دیکھئے صفحہ ۶۱)

(۷) **جنگ صفین ۳۷ھ**۔ امیر معاویہ ہر جمعہ کو حضرت عثمان رضؓ کا خون آلود کرتہ دکھاکر اور یہ کہہ کر کہ قتل عثمان میں علی رضؓ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کو حضرت علی رضؓ کے خلاف اُبھارتے رہے۔ حضرت علی رضؓ نے امیر معاویہ کو سمجھایا تو اس کے جواب میں امیر معاویہ نے اعلان جنگ کردیا۔ لڑائی میں ہزاروں مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اور صلح کی گفتگو میں امیر معاویہ کے نمایندہ نے جو ہوشیاری اور چالاکی کی اس سے بہت سے مسلمان امیر معاویہ کے خلاف بگڑ گئے (دیکھئے صفحات ۶۱ تا ۶۳)

(۸) خوارج سے جنگ ۳۸ھ۔ جنگ صفین میں امیر معاویہ کی طرف سے جب قرآن مجید نیزوں پر بلند کیا گیا تو حضرت علی رضؓ نے لڑائی روک دی ان کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے ایک جماعت نے حُب علی رضؓ کے لئے نہیں بغض معاویہ کے لئے لڑائی جاری رکھنی چاہی۔ حضرت علی رضؓ کے لڑائی روک دینے سے یہ جماعت ناخوش ہوکر ان سے علیحدہ ہوگئی۔ ان خوارج سے حضرت علی رضؓ کو جنگ کرنی پڑی اور گو بظاہر آخر میں ان کی قوت دب گئی مگر یہ لوگ حضرت علی رضؓ کے سخت خلاف ہوگئے۔

(۹) انھیں خارجیوں میں سے ایک شخص ابن مُلجم نے ۴۰ھ میں امیر علیہ السلام کو قتل کیا۔

(۱۰) ۴۰ھ میں حضرت علی رضؓ کے بعد بی بی زینبؓ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضؓ کو خلیفہ بنایا گیا۔ کوفیوں کے ترغیب دینے سے امام حسن رضؓ امیر معاویہ کے خلاف جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو ایک غلط خبر کی بنا پر اُنھیں کے آدمیوں نے انھیں اذیت جسمانی و روحانی پہنچائی۔ کوفیوں کی غداری سے وہ متاثر ہوئے اور ۴۱ھ میں امیر معاویہ سے

صلح کرکے ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ بعض مسلمانوں کو ان کی دست برداری ناگوار گزری۔ (دیکھئے صفحہ ۶۸ تا ۷۰)

(۱۱) ۴۹ھ میں حضرت امام حسن رضؓ کو امیر معاویہ کے اشارہ سے زہر دیا گیا (دیکھئے صفحہ)

ان واقعات سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد مسلمانوں نے اختلاف کے جو بیج بوئے وہ کس قدر تناور درخت کی صورت میں نمودار ہوئے۔ اور منافقوں اور فتنہ پردازوں کٹھ پتلیوں کی شرارتوں نے اسلام کو کس قدر نقصان پہنچایا مسلمان جو رسولؐ اللہ کی زندگی میں خدا کی راہ میں سب کچھ لٹادینا سعادت سمجھتے تھے۔ ان کی ذہنیت کس طرح بدل رہی اور نفس اُن پر کیوں کر غالب آرہا تھا۔ اور یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ واقعات کس حد تک پیش خیمہ کہے جاسکتے تھے اس حادثۂ عظیم کا جو آج تک واقعۂ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مصنف بحرالانوار کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت زینبؓ کی صاحبزادی ام کلثوم نہایت سمجھ دار اور خوبصورت تھیں۔ امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کا پیام اُن کے لئے دیا۔ اور اس خدمت پر عامل مدینہ مروان کو مامور کیا۔ مروان حضرت عبداللہؓ بن جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا اور یزید کا پیام دیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اُم کلثوم کا اختیار مجھے نہیں اس کے ماموں امام حسین رضؓ کو ہے۔ امام حسین رضؓ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ مروان نے حاضر ہو کر یزید کا پیام دیا اور یہ بھی کہا کہ اس نکاح سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات اچھے ہو جائیں گے۔ امام حسین رضؓ نے مروان کو ٹال دیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "بنو امیہ سے ہماری عداوت خدا کے لئے ہے۔ ہم دنیاوی فائدے کے لئے ان سے رشتہ نہیں کرسکتے تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنی بہن زینبؓ اور اپنے بہنوی عبداللہ بن جعفر کی بیٹی ام کلثوم کو عبداللہ بن جعفر کے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفر کو دیا" یہ فرماکر امام حسین رضؓ نے قاسم بن محمد کو بلایا اور ام کلثوم کے ساتھ نکاح پڑھا دیا۔ مروان کو معلوم ہوا تو اس نے امیر معاویہ

کو اطلاع دیدی اور یزید یہ سنکر غضب ناک ہوگیا۔ اس واقعہ کو بعض مورخین اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شام میں عبداللہ بن جعفر کی جاگیر تھی اور وہ اکثر وہاں جاتے رہتے تھے۔ ایک موقعہ پر امیر معاویہ نے ان سے یزید کے لئے ام کلثوم کی خواہش ظاہر کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ ام کلثوم کی شادی کا اختیار اس کے ماموں امام حسین کو ہے۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد جب عبداللہ مدینہ واپس جا چکے تھے، معاویہ نے امام حسینؓ کو پیغام بھیجا لیکن انھیں یہ پیغام اس وقت ملا جب ام کلثوم کی شادی ہو چکی تھی۔ بہر حال پہلا بیان صحیح ہو یا دوسرا اس واقعہ سے امام حسینؓ پر یزید کو سخت غصہ آیا اور وہ غصہ کی حالت میں ٹہلنے لگا۔

امیر معاویہ چاہتے تھے کہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو کر ان کے خاندان میں موروثی ہو جائے اور انتخاب کا جھگڑا ہی نہ رہے اس لئے انھوں نے ۵۶ھ میں یزید کو ولی عہد مقرر کیا اور اپنی جگہ اس کے لئے بیعت لینی چاہی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں نے اسی وقت بیعت کر لی اور بعض کا بیان ہے کہ امیر معاویہ کے خاندان ہی میں اس کی مخالفت ہوئی۔ ۶۰ھ میں جب امیر معاویہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو یزید کو وصیت کی کہ کلام اللہ پر عمل کیجیو اور خلیفہ اول و دوم کی پیروی کیجیو۔ بعض مورخین کہہ رہے ہیں کہ یزید نے پرواہ بھی نہ کی کہ باپ کیا کہہ رہا ہے۔ اعثم کوفی کا بیان ہے کہ یزید کو امیر معاویہ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ حسینؓ بن علی پر تلوار نہ اٹھانا اور ہمیشہ عزت و حرمت سے پیش آنا۔ چند روز بعد امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا اور یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے سب سے پہلے مروان بن حکم کو جو مدینہ کا حاکم تھا علیحدہ کر کے اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ کو حاکم مدینہ مقرر کیا اور حکم دیا کہ حسین بن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن ابوبکر اور عبداللہ بن عمران چاروں سے فوراً بیعت لو اس سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حکم بھی تھا کہ "ان چاروں یا ان میں جو جو انکار کرے اس کو قتل کر دیا جائے"۔ مصری مورخ محی الدین خیاط اور بعض دوسرے مورخین کہہ رہے ہیں کہ عبداللہ بن ابوبکر کا ۵۳ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے یزید کا

حکم صرف تین کے لئے تھا۔ عبداللہ بن عمر رضہ کے مکہ جانے کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے مگر یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضہ مکہ چلے گئے تھے بعض مورخین یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ یزید کو جب معلوم ہوا کہ انھیں بیعت سے انکار ہے تو اس نے بڑا لشکر مقابلہ کے لئے بھیجا مگر اُس نے عبداللہ بن زبیر رضہ کے لشکر سے شکست کھائی۔

۲۹۔ حضرت زینب رضہ کا شوہر سے اجازت طلب کرنا اور مدینہ سے روانگی

بی بی زینب رضہ اور امام حسین رضہ نے بیعت یزید پر لعنت بھیجی اور امام حسین رضہ مدینہ سے روانگی کی تیاری کرنے لگے ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کے تمام عزیز ان کے ساتھ مکہ چلیں تاکہ اُن کی عدم موجودگی میں کسی عزیز پر آنچ نہ آئے مگر بعض عزیزوں بالخصوص محمد بن حنیفہ اور عبداللہ ابن عباس نے نہ صرف ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا بلکہ سفر کی بھی سخت مخالفت کی لیکن امام حسین رضہ کا عزم غیر متزلزل تھا۔ ادھر بھائیوں نے مخالفت کی تو ادھر بہن کے لئے جس نے تمام عمر شوہر کی خوشنودی حاصل کی ناممکن تھا کہ بغیر شوہر کی اجازت کے بھائی کے ساتھ روانہ ہو۔ چنانچہ بی بی زینب رضہ نے حضرت عبداللہ سے اجازت طلب کی۔ بعض آفات و مصائب کے خیال سے جب حضرت عبداللہ نے آپ کو اس سفر سے منع کیا تو حضرت زینب رضہ نے کہا۔ "میرے بھائی کا دنیا میں کوئی رفیق نہ رہا۔ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی جان کی دشمن اور خون کی پیاسی ہے۔ میں اس حالت میں اپنے بھائی کو کیسے اکیلا چھوڑ دوں" حضرت زینب رضہ بھائی کا ساتھ چھوڑنے پر کسی طرح تیار نہ تھیں مگر یہ بھی نہ چاہتی تھیں کہ شوہر کو ناخوش یا مجبور کر دوں جب حضرت جعفر نے انھیں آفات و مصائب سمجھائے تو ان کی ہچکی بندھ گئی اور انھوں نے کہا "اماں مجھے اس دن کے لئے چھوڑ کر نہ گئی تھیں کہ جب میرا بھائی بے یار و مددگار یکہ و تنہا ہو اور دشمنوں کے نرغے میں پھنس جائے تو میں دور بیٹھی سیر دیکھا کروں عبداللہ تمہیں معلوم ہے کہ میرا اور حسین رضہ بھائی کا پچپن برس کا ساتھ ہے اور ہم دونوں ایک

دوسرے سے جدا نہیں ہوئے۔ اب ہمارا بڑھاپا اور زندگی کا آخری دور ہے اگر اس وقت میں نے حسین بھائی کا ساتھ چھوڑ دیا تو اماں کو کیا منہ دکھاؤں گی جنہوں نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ " زینبؓ میرے بعد حسینؓ کی ماں بھی تو ہے اور بہن بھی" تمہاری اطاعت میرا فرض ہے لیکن اگر میں حسین رضؓ بھائی کے ساتھ نہ گئی تو میں اُن کی جُدائی نہ سہار سکوں گی۔" حضرت عبداللہ پر بیوی کی اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے کہا " بنتِ مرتضیٰ رضؓ تم اپنا دل بھاری نہ کرو۔ تمہاری یہی خوشی ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔ تم حسین رضؓ کے ساتھ چلی جاؤ۔"

اس موقعہ پر مسلمانوں کے ایک فریق کی رائے ہے کہ حضرت عبداللہ چونکہ بیمار تھے ساتھ نہ جا سکتے تھے مگر انھوں نے خود خوشی خوشی بی بی زینبؓ کو امام حسینؓ کے ساتھ بھیجا۔

حضرت امام حسین رضؓ مع اہلبیت کے مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ چھوٹی بچی صغرا بیمار تھیں انھیں حضرت امام نے ام المومنین حضرت سلمہ رضؓ کے پاس چھوڑا۔

۳۰۔ کوفیوں کے خطوط حضرت مسلمؓ اور اُنکے بچوں کی شہادت

فرانسیسی مورخ موسیو سیدیو لکھتا ہے کہ " معاویہ کے بعد جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو اہلِ عراق نے چاہا کہ حضرت علی رضؓ کی نسل میں سے کسی کو خلیفہ بنائیں اس لئے جس حاکم کو یزید نے کوفہ بھیجا تھا اسے انھوں نکال دیا۔ اور امام حسینؓ کے پاس آدمی بھیجے کہ آپ کوفہ آکر خلافت سنبھالئے۔ بعض مورخین یہ لکھ رہے ہیں کہ یزیدی لشکر کو عبداللہ بن زبیر کے لشکر سے جو شکست ہوئی تھی اس سے کوفہ والوں کے جو یزید کو پسند نہ کرتے تھے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے امام حسین رضؓ کو خطوط لکھے کہ ہم بنی امیہ کے مخالف اور بنو ہاشم کے دوست ہیں یزید کی خلافت حقیقتاً خلافت کی توہین ہے۔ ہم سب آپ کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار ہیں۔ آپ جلد یہاں آجائیے" تاکہ ہم آپ کو اپنا خلیفہ بنا کر یزید سے نجات پائیں۔

کوفہ سے جو خطوط آئے تھے ان کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بہر حال کم سے کم ڈیڑھ سو اور زیادہ سے زیادہ پانسو خط آپ کو بھیجے گئے جن میں سخت اصرار تھا کہ آپ فوراً کوفہ تشریف لائیں۔ سارا کوفہ آپ کے ساتھ ہے اور ایک لاکھ مسلمان آپ پر خون بہانا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اہل مکہ میں چند سیدھے سادھے مسلمانوں نے آپ کے کوفہ جانے کی تجویز سے اتفاق کیا۔ مگر بہت سے حضرات نے شدید مخالفت کی۔ چنانچہ سب سے زیادہ عبداللہ بن عمر نے سمجھایا کہ آپ کوفہ نہ جائیے یہ لوگ قابلِ اعتماد نہیں۔

بی بی زینب نے بھائی کو متفکر اور پریشان دیکھ کر فرمایا تھا کہ "کوفہ والوں کی بات کا ہرگز بھروسہ نہیں۔ انہیں لوگوں نے بابا جان اور بھائی جان کے ساتھ غداری کی تھی"۔ مگر جب خطوط کی تعداد ڈیڑھ سو سے اوپر ہو گئی تو یہ فرمایا "بھیا تم نہ جاؤ کہیں پھر کوفیوں کے دل میں کھوٹ نہ ہو اور یہ خط اوپری دل سے نہ لکھے گئے ہوں۔ مناسب ہوگا کہ پہلے بھائی مسلم کو بھیج کر دیکھ لو کہ واقعی ان کے دل میں خلوص ہے یا یہ سب اوپری باتیں ہیں"؟

حضرت زینب کے اس مشورہ کو حضرت امام نے مسلمانوں کے سامنے بیان کیا اور بالآخر یہ طے ہوا کہ مسلم بن عقیلؓ کو جو امام حسین رضؓ کے چچا زاد بھائی تھے بھیج کر دیکھ لیا جائے چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل کو اپنا نائب مقرر کر کے امام حسین رضؓ نے کوفہ بھیج دیا اور کوفہ والوں نے بیعت شروع کی۔ اور باختلافِ روایات بارہ ہزار سے چالیس ہزار تک کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس حقیقت سے حضرت مسلم نے امام حسین کو آگاہ کر کے لکھا کہ اب آپ یہاں آنے میں مزید تاخیر نہ کریں۔ بے شک سارا کوفہ آپ کے ساتھ ہے خط روانہ کرنے کے بعد ہانی کے مکان پر۔ یہ وہ ہانی تھے جن کی والدہ ام ہانی بانی اسلام صلعم کی دایہ تھیں) جہاں ان کا قیام تھا حضرت مسلمؓ نے ایک جلسہ کیا۔ جس میں نہ صرف ڈیڑھ لاکھ کوفیوں نے حلفیہ اقرار کیا کہ ہم امام حسینؓ پر جانیں قربان کر دیں گے بلکہ پچاس آدمیوں کا ایک وفد امام حسین کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے ساتھ انھیں لائیں۔ حضرت امام نے فرمایا

اچھا آپ لوگ چلئے میں بھی روانہ ہوتا ہوں۔ کوفیوں نے پھر ایک قاصد بھیجا اور بے انتہا اصرار کیا کہ خدا کے لئے فوراً چلے آیئے۔ سارا کوفہ آپ کے لئے بے چین ہو رہا ہے ہم پر رحم فرمایئے اور ایک دن کی بھی تاخیر نہ کیجئے۔

مسلم کے خط اور کوفیوں کے اس قدر شدید اصرار کے بعد اب سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ امام علیہ السلام کوفہ روانہ ہوں۔

یزید کو جب کوفہ کی خبریں پہنچیں تو اس نے حاکم کوفہ نعمان بن بشیر کو معزول کر عامل بصرہ عبیداللہ ابن زیاد[1] کو کوفہ کا حاکم مقرر کر کے روانہ کر دیا۔ یہ وہی عبیداللہ تھا جس کے باپ زیاد نے ۵۶ھ میں یزید کی بیعت لئے جانے کی سخت مخالفت کی تھی۔ عبیداللہ مرجانہ لونڈی کا لڑکا تھا اور یزید اسے منہ نہ لگاتا تھا مگر اس وقت اس سے زیادہ ہوشیار عیار، تیز سخت گیر اور مدبر کوئی حاکم نظر نہ آیا اس لئے یزید نے شاندار مستقبل کی توقعات دلا کر اسے روانہ کر دیا۔

جو قاصد امام حسینؓ کا خط کوفیوں کے لئے لایا تھا۔ وہ پکڑا گیا اور بصرہ پہنچ کر عبیداللہ ابن زیاد نے سب سے پہلے اس کی گردن اڑائی اس کے بعد کوفہ پہنچا ایک تقریر کی اور کہا۔ "امام حسینؓ ایک مفلس بے یار و مددگار آدمی ہیں۔ ان کے پاس لشکر ہے نہ خزانہ وہ یزید جیسے زبردست بادشاہ کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔ جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں عبیداللہ ہوں جس کے ارادہ کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی اس باپ کا بیٹا ہوں جس کی شجاعت اور جانبازی سے تم لوگ خوب واقف ہو میں حسینؓ کو اچھی طرح بتا دوں گا کہ بغاوت کسے کہتے ہیں۔ مجھے تم سب کی بیعت کا حال معلوم ہے اگر راہ راست پر نہ آئے اور کسی نے بھی نافرمانی کی تو کوفہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ مسلم کو میرے حوالہ کرو اور اطمینان سے زندگی گزارو۔"

عبیداللہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمؓ ہانی کے ہاں مقیم ہیں پھر بھی اس نے احتیاطاً اپنے ایک غلام کو قاصدوں کے کپڑے پہنا کر ہانی کے گھر اس حیلہ سے بھیجا کہ بصرے

[1] بعض مورخین نے عبداللہ اور بعض نے عباد لکھا ہے۔ مگر صحیح نام عبیداللہ ابن زیاد تھا۔

سے امام حسین رضؓ کا نذرانہ اور بیعت کا ملفت لے کر آیا ہوں۔ ہانی کے مکان پر مسلم کی ملاقات
کا حال غلام نے آکر بیان کیا تو عبیداللہ ابن زیاد کے تن بدن میں آگ لگ گئی اسی وقت ہانی
کو بلاکر اپنا عصا اس زور سے مارا کہ ہانی کی ناک کا بانسہ ٹوٹ گیا۔ حضرت مسلم رضؓ کو جب معلوم
ہوا تو وہ تلوار لے کر ہانی کے انتقام کے لئے باہر نکلے۔ چار پانچ ہزار کوفی ان کے ساتھ تھے
مگر قلعہ کے دروازہ سے اس زور کی تیراندازی ہوئی کہ سب بھاگ گئے اب مسلم تن تنہا رہ
گئے اور ایک طرف چل دیئے۔ راستہ میں ایک عورت ملی اور وہ انھیں اپنے ہاں لے آئی
اور مہمان کی انتہائی خاطر مدارات کی صبح کو اس کے بیٹے نے انعام کے لالچ میں ابن زیاد کو
جاکر خبر کی مسلم رضؓ گرفتار کر لئے گئے اور عبیداللہ کے حکم سے ہانی اور مسلم رضؓ کے سر کاٹ کر قلعہ
کے نیچے پھینک دیئے گئے۔

دوسرے دن ابن زیاد نے اعلان کیا کہ مسلم رضؓ کے بچوں کو جو شخص گرفتار کر کے لائے گا
اس کے آگے دولت کا ڈھیر لگا دوں گا۔ محمد اور ابراہیم حضرت مسلم رضؓ کے آٹھ اور چھ سال
کے دونوں بچے ایک سچے مسلمان کے ہاں مہمان تھے اس نے انھیں آدھی رات کے وقت
قادسیہ کی سڑک پر چھوڑ دیا کہ مدینہ چلے جائیں۔ چلتے چلتے پھول سے بچوں کے پاؤں میں
چھالے پڑ گئے تو صبح کے وقت ایک درخت کے تنے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ کنارۂ دریا پر ایک
عورت پانی کے لئے آئی تو اس کی نظر ان معصوموں پڑی۔ پیار و محبت سے انھیں گھر لائی
اور گھر کی بیگم سے کہا "یہ عقیل کے ماہ پارے تمہارے مہمان ہیں"۔ گھر کی بیگم نے انھیں
کلیجہ سے چمٹا لیا اور نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے اور کھانا کھلایا۔ شام کو حارث اس گھر کا
گھر والا آیا تو فکر میں غرق تھا کہ مسلم کے بچوں کا اگر پتہ لگ جائے تو مالامال ہو جاؤں۔ رات
کے اندھیرے میں دونوں بھائی ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کوٹھری میں سو رہے
تھے کہ چھوٹے بھائی نے خواب میں باپ کی صورت دیکھی اور رو کر اور چلا کر کہا "ابا! ابا!"
حارث نے یہ آواز سنی۔ کوٹھری میں آیا۔ بچوں کو دیکھا ان کے نام پوچھے اور جب یہ سنا کہ

مسلمؓ کے بچے ہیں تو گھسیٹتا ہوا باہر لایا اور صبح ہوتے ہی کنارہ دریا پر انھیں لے کر پہنچا اور کہا "مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ" اس وقت محمد نے کہا "پہلے میری گردن اڑا دے تاکہ میں ابراہیم کی موت نہ دیکھوں"۔ ابراہیم نے بھی یہی کہا مگر حارث کو جو صاحب اولاد تھا رحم نہ آیا اور دونوں بے گناہ معصوموں کی گردنیں اڑا دیں۔

۳۱۔ مکہ سے روانگی

حضرت امام حسین رضؓ حضرت مسلم رضؓ بن عقیل کی شہادت سے بے خبر تھے کہ مسلم کا قاصد عبداللہ بن سنان مکہ پہنچا اور مسلم کا خط پیش کیا۔ کوفہ والوں کی عقیدت کا حال معلوم ہو کر حضرت امام حسین رضؓ نے روانگی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن عمر اور بقول بعض مورخین عبداللہ بن جعفر رضؓ اور چھوٹے بھائی محمد بن حنیفہ نے سخت مخالفت کی تھی۔ اب مدینہ سے سفر کی تیاری شروع کی تو عبداللہ بن زبیر رضؓ نے کہا:۔ "کوفیوں کا اعتبار نہ کیجئے یہ وہی لوگ ہیں جن کا ہاتھ آپ کے باپ اور بھائی کی شہادت میں تھا"۔ حضرت امام حسین رضؓ کا قصد عبداللہ بن زبیر کی گفتگو سے متزلزل نہ ہوا تو عبداللہ بن عباس رضؓ (حضرت امام کے چچا) نے یمن جانے کا مشورہ دیا مگر امام حسین رضؓ نے جب ان کی رائے سے بھی اتفاق نہ کیا تو ابن عباس نے کہا۔ "جب تم مرنے کے لئے جا رہے ہو تو عورتوں اور بچوں کو کیوں ساتھ لے جاتے ہو ان کو یہیں چھوڑ دو"۔ حضرت امام حسین نے جواب دیا "زندگی کے اس آخری دور میں اپنے عزیزوں سے جدا نہیں رہ سکتا"۔ وہ اتنا ہی جواب دینے پائے تھے کہ حضرت زینب نے جو پس پردہ یہ گفتگو سن رہی تھیں فرمایا:۔ "ابن عباس رضؓ آپ ہمارے بزرگ ہیں اور بھیا کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ ہم کو چھوڑ کر تنہا چلے جائیں نہیں ابن عباس رضؓ ایسا نہیں ہو سکتا۔ فاطمہ رضؓ کی بیٹی اپنے بھائی کو تنہا نہ جانے دیگی"۔

ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کی آٹھویں تاریخ تھی کہ حضرت امام حسین رضؓ مع اہلبیت و معتقدین

جن کی تعداد دو سو کے قریب تھی مکّہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب قافلہ خزیمیہ سے روانہ ہو کر تنعیم کے مقام پر پہنچا تو بعض مورخین کے بیان کے مطابق یہاں عون و محمد حضرت زینب کے دو بیٹے مل گئے۔ جن کو عبداللہ بن جعفر نے مدینہ سے بھیجا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر نے امام حسین کو ایک خط بھی لکھا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "آپ واپس ہو جائیں جس جانب آپ جا رہے ہیں ریں اس کو آپ کے حق میں بہتر نہیں سمجھتا ممکن ہے یہ راہ آپ کے لئے خطرناک ثابت ہو اور آپ کی اور رعیت کی جانیں ضائع ہوں۔ اگر آپ ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا کیونکہ آپ سمجھ دار لوگوں کے علم اور مومنین کی امید گاہ ہیں" لیکن بعض مورخین کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر نے مخالفت نہیں کی تھی۔ وہ خود اس وجہ سے مدینہ سے ساتھ نہ آسکے کہ بیمار تھے مگر انھوں نے خوشی خوشی اپنی بیوی اور بچوں کو امام حسین رض کے ساتھ کر دیا تھا۔

ثعلبیہ میں جب قیام کیا تو بکر اسدی نے کوفہ جانے کی مخالفت کی اور اطلاع دی کہ "مسلم رض اور ان کے بچے شہید کر دیئے گئے اور ابن زیاد نے عمرو سعد کو آپ کی گرفتاری کے لئے روانہ کر دیا ہے" یہ سن کر خاندان عقیل نے کہا "ہم مسلم رض کے خون کا بدلہ لئے بغیر واپس نہ ہوں گے" بی بی زینب ان کی ہمنوا تھیں۔ امام حسین رض نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا "آپ لوگ اپنے اپنے گھر واپس چلے جائیں آپ کی محبت اور عقیدت کا بدلہ دینے کے قابل میں نہیں ہوں۔ میری وجہ سے آپ لوگ اپنی جان خطرہ میں نہ ڈالیں اور یقین کریں آپ لوگوں کی واپسی میری خوشی کا باعث ہوگی۔ ہاں وہ لوگ ٹھیر سکتے ہیں جو خدا کی راہ میں سر کٹانا چاہیں۔ کیونکہ کوفہ تک بھی ہمارا صحیح سلامت پہنچنا ممکن نظر نہیں آتا۔ میں پھر آپ لوگوں کی محبت کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو مصائب و آفات سے محفوظ رکھے۔ میری خوشی یہی ہے کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں"

مختلف منازل سے اور مکّہ کی روانگی کے وقت جو لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس تقریر کے

بعد ان میں سے بہت سے واپس چلے گئے اور اہلبیت سمیت صرف ۷۲ آدمی رہ گئے۔ جو امام کے ساتھ آگے بڑھے۔

۳۲- میدان کربلا

محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی کہ حضرت امام حسین رضہ مع اہلبیت و رفقا کربلا کے میدان میں داخل ہوئے۔ ادھر سے یزیدی فوج آنی شروع ہوئی۔ حر بن زیاحی جو سرات کے مقام پر ملے تھے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے انھیں یزیدی فوج کے سپہ سالار عمرو سعد نے پانسو سواروں کا ایک دستہ دے کر اس غرض سے سب سے پہلے روانہ کر دیا تھا کہ امام حسین رضہ جہاں ملیں انھیں گھیر لیا جائے۔ انھوں نے عرض کیا "یا ابن رسول اللہ مجھے بھیجا تو اس غرض کے لئے گیا تھا کہ میں آپ کے گرد حلقہ ڈال کر آپ کو کہیں نہ جانے دوں مگر ٹوٹ جائیں یہ پاؤں جو اب اس مقصد کے لئے آگے بڑھیں۔ یا ابن رسول میری جان آپ پر قربان جس طرف آپ کا جی چاہے آپ تشریف لے جائیے۔ کس کی مجال ہے کہ ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکے۔" امام حسین رضہ نے حر کے جذبات کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا "میرے بے قصور بھائی مسلم رضہ اور ان کے بچوں کو ابن زیاد نے شہید کر ڈالا۔ بھائی مسلم کی بچی اور دوسرے افراد خاندان میرے ساتھ ہیں اور آج تک بیگناہوں کی شہادت پر ان کی آنکھ سے آنسو نہیں تھمتا۔ ایسی حالت میں میری واپسی مناسب نہیں اور مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میری وجہ سے تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو البتہ میری یہ تین خواہشیں ابن زیاد تک پہنچا دو۔" یہاں مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ خواہشیں عمرو سعد پر ظاہر فرمائی تھیں اور بعض کا بیان ہے کہ حر سے یہ گفتگو ہوئی تھی بہرحال وہ تین باتیں یہ تھیں کہ "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں مکہ یا مدینہ چلا جاؤں گا اگر یہ منظور نہ ہو تو میرا راستہ چھوڑ دو۔ ممکن ہے میں دمشق جاکر خود یزید سے گفتگو کروں اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو آخری صورت جنگ ہے۔ بعض مورخین

کہتے ہیں کہ یزید کا نام نہیں لیا تھا۔ بہرحال ابن زیاد کو یہ پیغام پہنچا یا گیا تو اس نے عمر وسعد کو کہلا بھیجا کہ حسین رضؓ کو سب سے پہلے میری اطاعت قبول کرنی چاہیئے اس کے بعد دیکھی جائیگی عمر وسعد کو یہ بھی کہلوایا کہ میں نے حسین رضؓ کا سر طلب کیا ہے نہ کہ شرائط صلح طے کرنے کے لئے تجھے بھیجا تھا۔ اِدھر قاصد یہ حکم عمر وسعد کے پاس لا یا اُدھر شمر ذی الجوشن نے ابن زیاد کی ہدایت کے بموجب نہر فرات پر قبضہ کرلیا تاکہ پانی کی ایک بوند بھی امام کے خیمہ میں نہ جاسکے۔ مورخین لکھ رہے ہیں کہ شمر نے فرات پر ایک ہزار سوار تعینات کئے تھے۔

محرم کی نویں تاریخ تھی اور تیسرے پہر کا وقت کہ حضرت امام حسین رضؓ خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ عمر وسعد کا قاصد حاضر ہوا اور کہا " ابن زیاد کا حکم ہے کہ یا تو فوراً بیعت کیجئے ورنہ لڑائی شروع کیجئے تیسری صورت ناممکن ہے"۔ آپ نے فرمایا " آفتاب غروب ہو رہا ہے یہ لڑائی کا وقت نہیں ہے۔ عمر وسعد سے کہو کہ رات بھر کی مہلت دے صبح اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیجو"۔ عمر وسعد کا خیال اسی وقت لڑائی شروع کرنے کا تھا مگر جب شمر ذی الجوشن نے یہ مشورہ دیا کہ حسین رضؓ اور ان کے ساتھی دو دن سے پیاسے ہیں آج کی رات بھی اسی طرح گزر جانے دو۔ صبح ان میں لڑائی کی سکت نہ رہے گی۔ تو وہ دوسرے دن جنگ شروع کرنے پر رضامند ہو گیا۔

محرم کی یہ رات جو شب عاشورہ کہلاتی ہے قیامت کی رات تھی۔ وطن سے ہزاروں کوس دور۔ دانہ پانی دو دن سے بند۔ اعداء کا عظیم الشان لشکر ننگی تلواریں لئے ہوئے۔ پاؤں تلے کی چپڑی جان کی دشمن اور دشمن کا ہر متنفس خون کا پیاسا۔ زمین پر فرات کے کنارے تھیں مگر آسمان پر چمکتا ہوا چاند اور دمکتے ہوئے ستارے رسول کے پیاروں کو اس حال میں دیکھ کر رو رہے اور ان کے اسلام پر مرحبا کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ چادر مہتاب میدان کربلا پر بچھی ہوئی تھی اور رات ایک تہائی سے زیادہ ختم ہو چکی تھی کہ امام حسین رضؓ بی بی زینب رضؓ کے خیمہ میں آئے۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ بہن ٹہل رہی ہے اور کسی فکر میں غرق ہے۔ فرمایا " زینب رضؓ کیا سوچ

رہی ہو، فکرمند معلوم ہوتی ہو" جواب دیا "بھائی فکر یہ ہے، سوچ یہ رہی ہوں اور پریشان ہوں اس خیال سے کہ کل کیا ہوگا؟"

چشمِ انسانی دنیائے فانی کے یہ تماشے آئے دن دیکھ رہی ہے کہ طوفان باد و باراں نے بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک اور سنگین عمارتوں کو سطح زمین کے برابر کر دیا۔ زلزلے کے ایک جھٹکے نے فلک بوس محلوں کو کھنڈروں میں تبدیل اور سیلاب نے بستی کی بستی اور آبادی کی آبادی چشم زدن میں تاخت و تاراج کر دی۔ اسی طرح حوادث کی آندھیاں اور مصائب کے زلزلے قلب انسانی میں بھی آتے رہتے ہیں تکلیفوں سے اکتا کر مصیبتوں سے گھبرا کر۔ پریشانیوں میں پھنس کر اور آفات میں دھنس کر پائے استقامت میں لرزش اور استقلال میں جنبش فطرتِ انسانی کے ہرگز خلاف نہیں۔ بڑے بڑے بہادروں مدبروں سیاست دانوں نے مجبوری سے معاملہ فہمی، مآل اندیشی سے کام لے کر بڑھتے ہوئے قدموں کو پیچھے ہٹایا ہے۔ اس لئے باوجود اس کے کہ بی بی زینبؓ سے زیادہ امام حسینؓ کی طبیعت سے کوئی واقف نہ ہو سکتا تھا۔ فطرتِ انسانی کو پیش نظر رکھ کر ان کا پریشان ہونا بے جا نہ ہو سکتا تھا اسی لئے فرمایا "کل کیا ہوگا؟" امام حسینؓ نے جواب دیا "پریشانی کی کیا بات ہے۔ جو تم کہو گی وہی ہوگا" امام حسین رضہ کا یہ جواب جہاں ایک طرف یہ ثابت کر رہا ہے کہ ان کو بہن سے بے حد محبت اور ان کی خاطر ہر حال میں منظور تھی وہاں یہ بھی بتا رہا ہے کہ بی بی زینبؓ کی رائے ان کی نظر میں کس قدر اہم اور وقیع ہوتی تھی۔

جو بہن بھائی کے نام کی عاشق بھائی کی صورت کی پروانہ تھی جس کی آواز کی کڑک اور گرج دل ہلا دیتی تھی مگر جس نے نیچی نظر کر کے ہمیشہ آہستہ سے بھائی سے بات کی اس وقت بھائی کا جواب سن کر اس کا چہرہ غصہ سے سرخ اور آنکھیں انگارا تھیں۔ انتہائے طیش اور انتہائے جوش، نہیں نہیں، انتہائے صداقت اور انتہائے خلوص سے بلند آواز میں کہا اور بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "حسینؓ جو خون تمہارے جسم میں دوڑ رہا ہے۔ وہی

زینبؓ کی رگوں میں بھی ہے۔ ہم نے باغیچہ اسلام کو اپنے خون سے سینچنے کے لئے ہزاروں میل کی مسافت طے کی ہے۔ آج دو روز سے اس طرح سورج طلوع ہو رہا اور ڈوب رہا۔ چاند نکل رہا اور چھپ رہا ہے کہ ہمارے حلق میں پانی کی ایک بوند نہیں گئی جس مقصد سے ہم نے سفر کی زحمتیں انگیز یں، کربلا کی مصیبتیں گوارا کیں وہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں اس کا فکر ہے۔ کل کیا ہوگا یہ سوچ رہی ہوں۔" امام حسین رضؓ نے کہا "زینب کل جنگ ہوگی جنگ۔" غصہ سے تمتمائے ہوئے چہرہ پر مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں اور سیدہ کی بیٹی نے کہا "ہاں بھائی جنگ ہوگی اور ضرور ہوگی اور یہ ایسی جنگ ہوگی کہ حسینؓ کی جرات و ہمت، حسین رضؓ کے ایثار اور حق پرستی پر ساری دنیا دنگ رہ جائے گی۔"

شب عاشورہ کا بڑا حصہ بی بی زینبؓ اور امام حسین رضؓ کی عبادت اور مناجات میں گزرا اور علی اکبرؓ کی صدائے اللہ اکبر نے صبح عاشورہ کا اعلان کیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام حسین رضؓ اپنے ساتھیوں سے یوں مخاطب ہوئے۔ "آپ حضرات کی محبت کا شکریہ میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتا اور نہ میں اس قابل ہوں کہ آپ کی رفاقت اور عنایت کا کوئی معاوضہ ادا کر سکوں مگر میری رائے پھر بھی ہے کہ آپ لوگ میری وجہ سے اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو رانڈ نہ بنائیں اور جان بوجھ کر موت کے منہ میں نہ جائیں۔ عمر و سعد کے اس لشکر جرار سے ہم گنتی کے چند نفوس کیا مقابلہ کر سکتے اور کتنی دیر لڑ سکتے ہیں بہتر یہی ہے اور میری خوشی بھی یہی ہے کہ آپ صاحبان اپنے اپنے گھر واپس چلے جائیں اور مجھے میری حالت پر چھوڑ دیں۔" یہ سن کر رفقاء امام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہا۔ "جب ہم کربلا کے میدان میں آ گئے ہیں تو اب ہم زندہ واپس نہیں جا سکتے۔ ہم سب اپنے رسولؐ کے نواسہ پر جان و دل سے قربان ہوں گے۔" امام حسین رضؓ نے ان کے لئے دعا کی اور خیمہ سے باہر آئے اور عمر و سعد سے کہا "کوفیوں تم نے مجھے دھوکہ اور فریب سے بلایا اور حرم خدا اور روضۂ رسولؐ سے جدا کیا اور اب تم لوگ مجھے تہہ تیغ کرنے پر آمادہ ہو۔ کیوں کوفیو

اپنے مہمانوں کے ساتھ جنہیں خط پر خط لکھ کر اصرار سے بلایا جائے ایسا ہی سلوک کرنا چاہیئے ؟"
عمرو سعد کے لشکر سے اس کا کوئی جواب نہ ملا تو حُر بن ریاحی آگے بڑھے اور عمرو سعد کی
فوج سے کہا "وہ حُر جو امام حسین رض کو گھیرنے کے لئے بھیجا گیا تھا سب سے پہلے دوشِ
رسول ﷺ کے سوار پر قربان ہوتا ہے"۔

حضرت امام حسین رض کے ساتھ سب آدمی ملا کر صرف بہتر تھے اور یزید کی فوج مورخین کے اختلاف
سے پانچ سو سے اکیس ہزار تک ۔ حُر نے میدان میں آکر عمرو سعد کی فوج کو للکارا مگر کوئی جواب
نہ ملا تو امام کی خدمت میں واپس آئے اور عمرو سعد کو قتل کرنے کی اجازت مانگی ۔ اب پھر امام
حسین رض نے عمرو سعد کی فوج کو سمجھایا کہ دنیا کی چند روزہ عارضی خوشی پر خدا اور اس
کے رسول ﷺ کو بھول کر کیوں عاقبت خراب کرتے اور مسلمان ہو کر کیوں مسلمانوں کے خون سے ہاتھ
رنگتے ہو مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور یزیدی لشکر سے دو غلام آگے بڑھے ۔ ان کے مقابلے کے لئے عبداللہ
وہب کلبی آئے اور دونوں کی گردنیں اڑا دیں ۔ اس کے بعد دو گھنٹہ تک لڑائی ہوتی رہی
اور بھوکے پیاسے رفقاءِ حسین رض شجاعت اور عقیدت کے جوہر دکھا کر شہید ہو گئے اب حُر نکلے
اور دو شخصوں کو قتل کرتے ہوئے لشکر میں گھس گئے اور کئی یزیدیوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے
تیروں کی بوچھاڑ میں شہید ہو گئے ۔ حُر کی شہادت کے بعد امام حسین رض میدان میں جانے کے لئے
تیار ہونے لگے تو ان کے ساتھیوں نے عرض کیا یہ ناممکن ہے کہ ہماری موجودگی میں ابن رسول اللہ
میدان میں جائیں ۔ آپ نے پھر فرمایا "میری وجہ سے آپ لوگ اپنی جانیں نہ دیں ۔ سارا جھگڑا
میرا ہے اس لئے میں ہی جاتا ہوں"۔ مگر جب سب نے شوقِ شہادت ظاہر فرمایا تو آپ خاموش
ہو گئے ۔ حُر کے بعد بعض مورخین کے بیان کے مطابق یزید بن حصین رض پھر عمر بن خالد رض مسلم بن
اسدی ۔ بلال رض بن نافع ۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل رض ۔ ابوبکر عبداللہ بن حسن رض اور امام کے دوسرے
ساتھی اور اعزا ایک ایک کر کے شہید ہوئے ۔ اس کے بعد ان کے تین سوتیلے بھائی ابوبکر
بن علی رض پھر عمر بن علی رض پھر ام البنین کے چھوٹے بیٹے عثمان بن علی شہید ہوئے اب دوپہر ہو چکی تھی اور
مردوں میں چھوٹے بڑے سب ملا کر صرف سات عزیز حسین علیہ السلام کے ساتھ باقی تھے +

۴۳۔ بی بی زینبؓ کی قربانی

دن آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا۔ زمین انگارے اگل رہی اور آسمان آگ برسا رہا تھا۔ درخت تپ رہے، پتھر جل رہے۔ اور گرمی کی شدت سے جانوروں کی زبانیں باہر نکلی پڑ رہی تھیں اور یہ وہ وقت تھا کہ رحمۃ اللعالمین کے پیاروں کے حلق میں تین دن سے پانی کا ایک قطرہ نہ گیا تھا۔ اس وقت جب خاکِ بے آب پر بادِ آتش بار نباتات کو جلا رہی، جمادات کو جھلسا رہی اور حیوانات کو جھلسا رہی تھی، بھائی کی عاشق زار بہن زینبؓ نے نیچی نظریں کر کے امام حسینؓ سے کہا: "مجھے خبر نہ تھی کہ میرے بھائی پر ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ بے گھر بے در ہو کر وہ غریب الوطنی میں دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا ہو گا اور ہزاروں تلواریں اس کا سر تن سے جدا کرنے کے لئے میان سے باہر نکلی ہوئی ہوں گی۔ میرے تو کبھی وہم و گمان اور خواب خیال میں بھی نہ تھا کہ نانا کے دلارے باوا کے لاڈلے اور ماں کے چہیتے حسین کو بدنصیب زینبؓ کی آنکھیں بھوکا پیاسا، بے یار و مددگار، بکہ و تنہا ان شقی القلب انسانوں میں گھرا ہوا دیکھیں گی جو اپنی حرص ہوس کی پیاس کو اس کے خون سے بجھانے کے لئے بےچین اور بے تاب ہونگے۔ کسے معلوم ہوتا ہے کہ جس زندگی کا آغاز پیار و محبت اور ناز و نعم میں ہو رہا ہے اس کا انجام آفات و بلیات کی کثرت اور انتہائے مصائب پر ہو گا۔ مگر نہیں بھیا، مصیبت کیسی اور رکوٹ کس بات کا تمہارے لئے، بچ نکلنے کے ایک دو نہیں متعدد موقع آئے مگر اللہ کا شکر ہے تمہارا قدم نہ ڈگمگایا۔ تم نے سیمائی جلوؤں اور فانی خوشبوں کے مقابلہ میں، نفس کو کچل کر ایمان کی صدا پر لبیک کی، راحت ابدی کو پسند کیا، دنیا پر آخرت کو ترجیح دی اور خلافت کے لئے نہیں صداقت کے لئے سر کٹوانا ہنسی خوشی منظور کیا۔ لیکن بھیا جس دل کو ساری عمر زینبؓ کی خاطر منظور رہی وہ کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ تمہاری قربانی میں تمہاری بہن کو کچھ حصہ نہ ملے۔ میرے پاس اس پردیس میں کچھ بھی نہیں جو اپنے بھائی کا صدقہ دوں ہاں ردِ بلا کے لئے یہ دو

بچے عون و محمد حاضر ہیں۔ بھیّا انھیں قبول کر اور جنگ کی اجازت دے، یہ بچے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر ماموں پر قربان ہو کر نانی کے سامنے ماں کو سرخرو ضرور کر سکتے ہیں۔"

امام حسین رضؓ نے بچشم تر بہن کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "زینب رضؓ میرے زخموں پر نمک نہ چھڑک، یہ چاند سے ٹکڑے، یہ کلیجہ کے ٹکڑے، یہ موہنی مورتیں یہ پیاری پیاری صورتیں اس قابل نہیں کہ ماموں انھیں خون میں نہلوا کر خاک میں ملادے، ان کے دن کھیلنے کودنے کے ان کی راتیں ہنسنے بولنے کی اور ان کی عمریں زندہ رہنے کی ہیں۔ ان لہلہاتی ہری بھری کونپلوں کو بڑھنے اور ان کلیوں کو پھول بن کر مہکنے دے۔ بھائی کی خاطر ساری عمر قربانیاں کرتی رہی، اب رحم کر اور ایسی بات نہ کہہ جس سے میرا کلیجہ شق ہو جائے حسین انسان ہے پتھر نہیں ہے۔"

بی بی زینب رضؓ نے بھائی کے گلے میں بانہیں ڈالدیں اور فرمایا "بھیا ساری عمر میری بات نہ ٹالی۔ آج پردیس میں بے کس اور بے بس زینب کی نذر قبول کرنے سے انکار کر رہے اور اس کا دل توڑ رہے ہو!! ذرا دیکھو تو دونوں کے دونوں میدان میں جانے کے لئے تیار کھڑے ہیں اور اجازت کے منتظر ہیں۔"

اتنا سنتے ہی زینب رضؓ کے لال سر جھکائے ماموں کے سامنے آئے اور محمد نے کہا "ماموں جان آپ ہم سے ناراض ہیں جب ہی تو ہمیں اجازت نہیں دیتے۔ ہم نے کوئی خطا کی ہو تو معاف کر دیجئے ہم دشمنوں کو بہادری دکھانے کے لئے بے چین ہو رہے ہیں۔ جلدی اجازت دیجئے کہ ہم ان کو اچھی طرح مزہ چکھا دیں۔" امام حسین رضؓ نے بچوں کو کلیجہ سے لگایا۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پیار کیا اور بی بی زینب رضؓ کی طرف دیکھا تو انھوں نے کہا "بچوں کی زبان سے ان کا شوق شہادت معلوم ہونے کے بعد، بھیا! اب تو انکار نہ کرو۔ اگر تم نے میری یہ درخواست رد کردی تو قیامت کے دن میں ماں کو منہ نہ دکھا سکوں گی۔ فاطمہ رضؓ کے دودھ اور علی رضؓ کے خون کا واسطہ حسین رضؓ زینب کی نذر قبول کرے۔" اب امام حسین رضؓ کی ہچکی بندھ گئی فرمایا "اچھا زینب تیری یہی خوشی ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔"

اجازت کا لفظ سُن کر بچّوں کے مُرجھائے ہوئے چہرے کِھل گئے اور خوشی سے دونوں ماں سے چمٹ گئے۔ بی بی زینب دونوں کو پیار کرتی اور روتی رہیں پھر کھڑی ہوئیں انھیں لڑائی کے کپڑے پہنائے اور ہتھیاروں سے آراستہ کر کے فرمایا "پیارے بچّو معاف کرنا کہ تمہاری ماں تمہیں ذبح ہونے کے لئے قصائیوں میں بھیج رہی ہے۔ سارے جہان کی مائیں اپنے بچّوں کی اللہ آمین کرتی اور دُلھن لانے کے لئے دولھا بناتی ہیں۔ مگر عون و محمد کی ماں نے اپنے بچوں کو سر کٹوانے کے لئے دولھا بنایا ہے۔ سر دینے مگر بات رکھنے کے لئے۔ جانیں قربان کرنے مگر ناموس محمدؐ کو ہاتھ سے نہ جانے دینے کے لئے۔ دو کیا اگر سات بیٹے بھی ہوتے تو ناناجان کے مذہب اور حسین رضؓ جیسے بھائی پر قربان کر دیتی۔ آؤ آؤ میرے راج دلارو آؤ۔ میرے مہ پاروں گلے سے لگ جاؤ۔ میرے جگر کے ٹکڑوں۔ میری آنکھوں کے تاروں۔ بدنصیب ماں سے جس کی نظروں میں دُنیا اندھیر ہونے والی ہے۔ چمٹ جاؤ اور اسے بھینچ بھینچ کر کلیجے سے چمٹانے دو!!"

پھر خیال آیا تو بچوں کو علیحدہ کیا اور کہا "آج تم نے دکھا دیا کہ سعادت مند اور فرمانبردار اولاد کیسی ہوتی ہے۔ تم نے ماموں سے جو گفتگو کی اس سے میرا ہی دل خوش نہیں ہوا تمہارے نانا اور نانی۔ دادا اور دادی کی روحیں بھی خوش ہوگئیں۔ شاباش ہے۔ بہادر اور نیک بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم میں علی رضؓ اور جعفر کا خون ہے۔ خبردار پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا اور ایسی بہادری سے لڑنا کہ دشمن کے دانت کھٹے ہو جائیں۔ اچھا پیارے بچّوں۔ جاؤ۔ رخصت۔ الفراق۔ الوداع۔"

عون و محمد میدانِ جنگ میں پہنچے تو عمرو سعد نے قہقہہ مار کر کہا "بس، حسینؓ کے سب حامی ختم ہو چکے اور اب یہ نوبت آگئی کہ بچّے آرہے ہیں۔"

عون رضؓ نے کہا "چپ گستاخ۔ ہم بچے ضرور ہیں مگر تجھ جیسے بڑوں کو جہنم میں پہنچا سکتے ہیں۔" سعد عمرو نے کہا "اوہو۔ یہ زور ہے۔ تم زینب کے بچے معلوم ہوتے ہو۔

آؤ ہماری طرف آجاؤ۔ مزے سے رہنا سہنا۔ کیوں خواہ مخواہ ماموں کی ضد میں اپنی جانیں گنوانے ہو۔" اس پر محمد نے کہا "بس خاموش ہو جا اور لے اب دیکھ" یہ کہہ کر ایک طرف سے محمد نے اور دوسری طرف سے عون رضہ نے حملہ کیا اور کئی شخصوں کے سر اڑا دیئے مگر بچوں کی بساط ہی کیا تھی۔ عمر و سعد کے لشکر کی تلواروں نے زینب کے دونوں لال خون میں لال کر دیئے۔

امام حسین بچوں کی لاشیں خیمہ میں لائے اور بی بی زینب سے فرمایا "لو زینب تمہارے بچے ماموں پر قربان ہو گئے، تمہاری یہی خوشی تھی وہ پوری ہوئی۔" بی بی زینب نے کہا "جی ہاں آج میری کمائی ٹھیک لگی اور اب میں اماں سے شرمندہ نہ ہوں گی کہ میں نے ان کی وصیت کو ذہن میں محفوظ نہ رکھا اور قیامت کے دن نانا جان سے کہوں گی کہ آپ کی امت نے میرے جگر گوشوں کو بے دردی سے ذبح کر دیا۔"

اس وقت امام حسینؑ سے بہن کے آنسو نہ دیکھے گئے وہ خیمہ سے باہر تشریف لائے تو بی بی زینب بچوں کی لاشوں پر جھپٹیں۔ اور اس طرح بیچ میں لیٹیں کہ دائیں طرف عون اور بائیں طرف محمد۔ دونوں کا خون اپنے منہ پر ملا اور کہا "زینب کے دودھ کی تاثیر دکھانے والے بچوں بدنصیب ماں نے تمہارا دودھ بخشا مگر ماں کی آنکھ کے اشارہ کو سمجھنے اور ماموں پر نثار ہو جانے والے پیاروں خدا کے ہاں مواخذہ نہ کرنا کہ ماں نے جان بوجھ کر ذبح کرا دیا دنیا سے تم ہی نہیں سدھارے زینب کی امنگیں بھی ختم اور ارمان رخصت ہوئے تمہاری بھولی بھالی صورتوں اور میٹھی میٹھی باتوں سے دل کا جو کنول کھلا رہتا تھا وہ اب ایسا مرجھایا ہے کہ پھر کبھی نہ کھلے گا۔ دل کی جو بستی تباہ ہو گئی وہ ہمیشہ اجڑی ہی رہے گی۔ ایسی مائیں بہت کم ہوں گی جن کے بچے جانیں دیدیں گے مگر ماں کی بات ہلکی نہ ہونے دیں گے۔ خواب میں ڈرتے تھے تو چونک کر ماں سے لپٹ جاتے تھے مگر اب ہُو کا میدان سنسان جنگل ہوگا اور ماں کی آغوش کے بدلے قبر کی تنہائی اور اندھیرا گھُپ تین دن بھوکے پیاسے رہ کر کس بہادری سے لڑے کہ دشمن عش عش کرنے لگا۔ عون و محمد تمہاری ماں کی گود آج خالی ہو گئی اس کی عمر

بھر کی کمائی لُٹ گئی اور کربلا نے پردیس اور دہان زینب کی خوب خاطر مدارات کی۔"
اب بی بی زینب اٹھیں۔ بھائی کے پاس آئیں اور کہا "جائیے انھیں لے جائیے
اور سپرد زمین کر دیجئے۔"

۳۴۔ بھائی بھتیجوں کی شہادت

۱

حضرت عباسؓ بی بی زینب تصویر کی طرح خاموش پتھر کی طرح ساکت بیٹھی ہوئی تھیں کہ عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن گھوڑوں پر سوار حسینی خیموں کی طرف آئے
اور عمرو سعد نے پکار کر کہا "علیؓ کی شجاعت کدھر گئی کیا اب کوئی باقی نہیں رہا۔" حضرت عباسؓ
بن علیؓ خیمہ سے باہر آئے تو شمر نے کہا "عباس تم میری بہن کے بیٹے ہو۔ اس لئے سمجھاتا ہوں کہ
اپنی جوانی کو خاک میں نہ ملاؤ اور ہماری طرف چلے آؤ۔ حسینی فوج کے تم صرف علم بردار ہو ہمارے
ہاں آ کر لشکر کی سرداری لو۔ دنیا بھر کی نعمتیں تمہیں حاصل ہوں گی۔ آؤ عباس ہماری پناہ میں آ جاؤ۔"
حضرت عباس نے کہا "واہ کیا بات کہی ہے مجھے پناہ دینی چاہتا ہے مگر فرزند رسولؐ کے قتل پر
کمربستہ ہے۔ علی رضؓ کے بیٹے ان چکنی چپڑی باتوں میں آنے والے نہیں۔ ہم دنیا کی چند روزہ جھوٹی
مسرتوں پر لات مارتے اور لعنت بھیجتے ہیں یقین کرو کہ حق کے لئے ہمارا قدم لغزش نہ کرے گا۔"
عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن یہ سنکر واپس چلے گئے اور حضرت عباسؓ خیمہ میں آئے تو امام حسینؓ
نے جو یہ گفتگو سن چکے تھے، بھائی سے کہا "عباس! یزید، ابن زیاد، عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن کو
مجھ سے دشمنی ہے تم کیوں میری وجہ سے جان کھوتے ہو۔" امام حسینؓ کی زبان سے ابھی یہی الفاظ نکلے تھے
کہ حضرت عباس رضؓ نے کہا "لاحول ولاقوۃ! عباس اور حسینؓ کے دشمنوں کو تہہ تیغ کئے بغیر خاموش
رہے۔ بھیا بھول کر بھی یہ خیال دل میں نہ آنے دیا کہ ابن علیؓ اپنے بھائی کو تنہا چھوڑ کر منہ موڑ
سکتا ہے۔" امام حسینؓ نے جواب دیا "یہ تو تمہاری محبت ہے مگر میری محبت کا تقاضا بھی یہ ہے
کہ تمہیں سمجھاؤں کہ میری رفاقت میں اپنی جان ضائع نہ کرو۔" اب حضرت عباسؓ نے بی بی زینبؓ

کی طرف دیکھا اور کہا "بہن تم ہی بھیا سے میری سفارش کر دو۔ میری اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ بھائی کے قدموں پر سر نثار کر دوں"۔ بی بی زینبؑ نے کہا "ہاں بھیا۔ سچ تو کہتے ہیں۔ شمر کے کہنے سننے کا ان پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے منہ سے کچھ ہی کہے یہ آپ کا ساتھ قیامت تک نہیں چھوڑ سکتے"۔ امام حسینؑ نے فرمایا "اچھا" اور بھائی کو گلے لگا لیا کہ اتنے میں مسلم بن عقیل کی بچی آکر حضرت عباس کی ٹانگوں سے چمٹ گئی اور زبان نکال کر دکھائی جس کا مطلب یہ تھا کہ پیاس کے مارے بُرا حال ہے۔ چند قطرے پانی کے اس سوکھے ہوئے حلق میں ڈال دیجئے۔ حضرت عباس نے اسی وقت مشک اٹھائی اور دیکھتے ہی دیکھتے نہر فرات پر پہنچے اور عمر بن حجاج سے جو نہر کی حفاظت پر ایک دستہ فوج لئے اس غرض سے مامور تھا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی حسینی خیموں میں نہ پہنچے کہا "دودھ پیتے بچے بے ہوش پڑے ہیں اور ننھی بچیاں پیاس کی شدت سے بے جان ہو رہی ہیں ایک اور صرف ایک مشک پانی کی بھر لینے دو تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل قیامت کے دن جب یہ مسلمان کی نظریں میرے آقا و مولا ساقی کوثر پر لگی ہوں گی، جب تک تمہیں حوض کوثر سے سیراب نہ کرا دوں گا میرے لئے ایک قطرہ بھی حرام ہوگا"۔ حضرت عباس کی اس درخواست کا جواب ایک شگفتہ قہقہہ تھا۔ آخر عباس نے ہوا کی طرح گھوڑے کو دوڑایا، شیر کی طرح دشمن پر گرے اور آناً فاناً پانی سے مشک بھر کندھے پر رکھی اور ایک چلو پانی اس لئے بھرا کہ خود پئیں کہ معصوم بچوں کا خیال آیا اور یہ کہہ کر کہ "جب تک بچے پانی نہ پئیں عباس کے منہ میں ایک قطرہ بھی نہیں جا سکتا"۔ چلو پھینک دیا اور اپنے خیموں کی طرف گھوڑا سرپٹ دوڑایا۔ شمر نے چلّا کر کہا "اگر حسینی خیموں میں پانی پہنچ گیا تو قیامت ہو جائے گی" عمر و سعد نے اسی وقت تیر اندازی کا حکم دیا۔ ادھر سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی اور ادھر عباس کے سر پر تلواریں چمکیں۔ دایاں ہاتھ کٹ گیا تو مشک بائیں کندھے پر رکھ لی۔ بائیں ہاتھ پر تلوار پڑی تو مشک دانتوں سے پکڑ لی۔ اب جو تیر آنے شروع ہوئے تو مشک چھلنی ہو گئی، سارا پانی بہہ گیا اور ایک تیر سینہ پر آکر ایسا لگا کہ گھوڑے پر سے گرے اور روح تن سے نکل گئی!

حضرت قاسم۔ بھائی کی شہادت کے بعد امام حسینؑ نے خود میدان میں جانے کا قصد کیا تو امام حسنؑ کی نشانی حضرت قاسم میدان میں جانے کے لئے تیار تھے، چچا کی طرف دیکھا اور عرض کیا "اب مجھے اجازت دیجئے کہ دشمنوں سے گستاخی کا بدلہ لوں"۔ امام حسینؑ نے حسرت بھری نظریں ڈال کر جواب دیا "مرنے کی نہیں جینے کی باتیں کرو قاسم۔ بھائی حسنؑ کی ایک تم ہی نشانی ہو جب تم بھی نہ رہو گے تو ان کی نسل ختم ہو جائے گی۔ ان کی شہادت کا جو ناسور دل میں ہے اسے اور گہرا نہ کرو۔ چچا تمہارے لڑکپن پر قربان، زندہ رہو اور پھلو پھولو"۔ قاسم نے جواب دیا "زندہ رہنے کا لطف تو آپ ہی کے زیر سایہ تھا آپ کی شفقت نے یتیم قاسم کے دل سے باپ کی محبت بھلا دی۔ اور اپنے بچوں سے بڑھ کر بھائی کے یتیم بچہ کو سمجھا مگر آج جب عون و محمد جیسے بھانجے ماموں پر نثار ہو چکے تو قاسم کو اپنے چچا پر فدا ہونے سے محروم نہ کیجئے۔ اچھی پھوپی جان آپ ہی میری سفارش کیجئے اور حسنؑ کی لاج رکھ لیجئے ورنہ کل قیامت کے دن جب میں اپنے ابا جان کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوں گا تو آپ جیسی شفیق پھوپی پر بھی بات آئیگی کہ آپ نے اپنے بچوں کو تو خوشی خوشی شہادت کے لئے بھیج دیا۔ مگر مرے ہوئے بھائی کے بچے کی طرف سے غفلت برتی اور اسے اس سعادت کے حاصل ہونے میں مدد نہ دی"۔ بی بی زینبؓ نے فرمایا "ہاں میاں سچ کہتے ہو خدا کو یہی منظور ہے کہ گلشن زہراؑ کا ایک ایک پھول میدان کربلا میں مرجھا جائے۔ بھیا قاسم کی درخواست منظور کرو اور اسے رن کی اجازت دو"۔ امام حسینؑ نے فرمایا "اچھا قاسم جاؤ اور دل کا حوصلہ پورا کر لو"۔

قاسم میدان جنگ میں پہنچے اور عمر و سعد سے کہا "جانتے ہو میں کون ہوں۔ اس حسنؑ کا بیٹا جس سے کسی ذی روح کی تکلیف کبھی نہ دیکھی گئی اور جس نے انتہائے تکلیف میں ضبط و تحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور اس علی مرتضیٰ کا پوتا جس کی شجاعت کا تم میں سے ہر شخص آج بھی معترف ہے۔ میں تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اپنی عاقبت برباد نہ کرو اب بھی باز آ جاؤ اپنی بیہودگیوں سے اور وہ کام نہ کرو کہ قیامت تک تم پر لعنت برستی رہے"۔ اس گفتگو کا عمرو سعد اور اس کے لشکر

پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تیر آنے شروع ہوئے تو قاسم تلوار تول کر دشمن پر گرے اور جوہرِ شجاعت دکھا کر شہید ہو گئے۔

علی اکبر حسنؑ کے چاند کی شہادت پر کہرام مچ رہا تھا کہ علی رضؑ کا دوسرا پوتا حسینؑ کا لال علی اکبرؑ لڑائی کے کپڑے پہنے ہتھیار لگائے میدانِ جنگ کے لئے تیار تھا۔ بی بی شہر بانو نے اپنے بچہ کو تیار دیکھ کر شوہر سے کہا "اکبر میاں اجازت کے منتظر ہیں۔" امام حسینؑ نے فرمایا۔ "میں اجازت دینے والا کون۔ ان کا اختیار ان کی پھوپی کو ہے جس نے ان کی پرورش کی ہے" یہ سنکر علی اکبر پھوپی کے پاس آکھڑے ہوئے اور بی بی زینب معنی خیز نظروں سے انھیں دیکھتی رہیں اور فرمایا "اکبر میں نے تجھے بڑی مشکل سے پالا ہے۔ رات کی نیند، دن کا سکھ قربان کرکے بالشت بھر گوشت کے لوتھڑے کو اس دن کے لئے جوان کیا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے میرے منہ میں خاک تیرا مردہ پڑا ہوا اور جس دل میں برسوں سے تیری شادی کا ارمان پرورش پا رہا ہے آج اسی میں اس کا مدفن بنتے۔" یہ کہہ کر علی اکبر سے لپٹ گئیں۔ پھر کچھ خیال آیا اور بھاوج سے کہا "اس کا دودھ بخش دو" شہر بانو کی کوکھ اجڑ رہی تھی، ہچکی بندھی ہوئی تھی کہا "میں نے بخشا میرے اکبر ماں تیرے صدقہ" اب بی بی زینب نے علی اکبر سے کہا "ماں کے گلے لگ کر رخصت ہو۔" پھر فرمایا "باپ کی چھاتی سے لگو" جب علی اکبر باپ کی طرف بڑھے تو بی بی زینب نے فرمایا "بھیا میرے بچہ کی آرزو پوری ہونے دو رَن کی اجازت دو۔" امام حسینؑ نے فرمایا تم نے اجازت دیدی تو میری طرف سے بھی اجازت ہے۔"

علی اکبر میدان میں پہنچے تو عمرو سعد نے کہا "اکبر تمہارے باپ کو تو تمہاری جوانی پر رحم نہیں آیا کہ قتل ہونے کے لئے خیمہ سے نکال باہر کیا مگر مجھے تم پر ترس آ رہا ہے اور چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو اپنے اچھے اور برے کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ تمہارے باپ مفلس اور بے یارومددگار ہیں اور ہمارے پاس طاقت بھی ہے اور دولت بھی آؤ۔ آؤ ہماری طرف آجاؤ اور ایسی غلطی نہ کرو جو تم جیسے سمجھدار نوجوان کے لئے مناسب نہیں۔ تمہارے باپ نے خلیفہ وقت سے بغاوت

کی ہے مگر اس کے باوجود میں اپنے رحم و کرم سے تمہیں معاف کر دوں گا۔" علی اکبر نے جواب دیا کہ "بس خاموش رہ بہت باتیں بنا چکا۔ تو سمجھا تھا کہ اولادِ نبیؐ پہ پانی بند کر کے اور بھوکا پیاسا رکھ کر تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا اور ہم تیری طاقت تسلیم کر لیں گے۔ عمرو سعد ہم وہ لوگ ہیں کہ صبر و رضا اور برداشت اور ضبط ہماری گھٹی میں پڑا ہوا ہے اگر تو چاندی کے ڈھیر اور سونے کے انبار بھی میرے آگے ڈال دے تو مجھ پر ان کا کچھ اثر نہ ہوگا اور دنیا کے بڑے سے بڑے اعزازات بھی ان قدموں کو جو آگے بڑھ چکے ہیں پیچھے نہیں ہٹا سکتے، رے اب اگر ہمت ہے تو میرے مقابلے کو نکل" علی اکبر کی اس تقریر کے جواب میں ایک تیر ان کی طرف پھینکا گیا تو علی رضؓ کے پوتے کی تلوار جدھر گئی اُدھر ہی صفا یا کر دیا اور چشم زدن میں پانچ آدمی قتل کر دیئے یہ رنگ دیکھ کر عمرو سعد نے کہا "سب مل کر حملہ کرو" اس اثنا میں دو اور دشمن زمین پر پڑے تڑپ رہے تھے۔ اب علی اکبر کو عمرو سعد نے گھیرے میں لیا۔ اور ہر طرف سے تلوار پڑنے لگی مگر ایسی حالت میں بھی کئی آدمی تہ تیغ کئے یہاں تک کہ ایک شخص نے سینہ پر برچھی ماری۔ علی اکبرؓ غش کھا کر زمین پر گرے اور چند لمحہ بعد بے جان جسم رہ گیا۔

علی اصغر

علی اکبر کو سپرد زمین کر کے امام حسینؑ خیمہ میں تشریف لائے تو بی بی شہر بانو نے کہا "جس دن سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں آج کی تاریخ تک میں نے کوئی خواہش ظاہر نہیں کی لیکن کیا کروں کلیجہ نکلا پڑ رہا ہے۔ آج ایک درخواست کرتی ہوں۔ اصغر کی حالت اب دیکھی نہیں جاتی۔ دو دن سے اس کے حلق میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں گیا۔ دیکھیئے منکا ڈھل چکا ہے زبان میں کانٹے پڑے ہوئے اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں۔ اگر چند قطرے پانی کے اس کے حلق میں چلے جائیں تو یہ پھول سا چہرہ جسے پیاس نے مرجھا دیا ہے پھر سے کھل جائے گا۔ ابن علی رضؓ چند قطرے پانی کے اس کے حلق میں ڈال دیجئے۔" امام حسینؑ نے بی بی شہر بانو سے بچہ کو لیا تو بی بی زینب نے کہا "بھیا جن لوگوں کو سیدہؓ کے لال پہ رحم نہ آیا وہ شہر بانو کے لال پہ کیا ترس کھائیں گے مگر شیر لے جا یئے۔"

بہت سے صاحب اولاد ہوں گے شاید کسی کو اس بے زبان معصوم پر رحم آجائے"۔ امام حسینؑ بچہ کو لے کر میدان میں آئے اور عمرو سعد سے فرمایا "یہ شکنبو نہیں ہے۔ شیر خوار بچہ ہے جسے شہر بانو اور زینب نے اس امید پر بھیجا ہے کہ چند قطرے پانی کے اس کے حلق میں ڈال کر اس کلی کو کملانے سے بچالو گے۔ لڑائی میری اور یزید کی ہے یہ شیر خوار بچہ بے قصور ہے لُو کے تھپیڑوں نے اس کا نازک جسم جھلس دیا اور تین روز کی پیاس نے اس کے زبان میں کانٹے ڈال دیئے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسے پلانے کے لئے تم مجھے پانی دیدو یا میں تمہارے سامنے اسے پانی پلالوں۔ نہیں تم خود صرف چند قطرے اس کے حلق میں ڈال دو۔ شہر بانو کا چاند گہنا رہا ہے اے عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن! اے ننھے منے دودھ پیتے بچوں کے باپو علی اصغر معصوم بے زبان، بے قصور تین دن سے پیاسا ہے اس پر ترس کھاؤ" ان لوگوں نے جو اسلام کے دعوے دار اور انسانیت کے مدعی تھے ان الفاظ کا مضحکہ اڑایا اور ہزاروں میں سے ایک دل بھی ایسا نہ نکلا جو پسیج جاتا۔ اِدھر عمرو بن سعد کے یہ الفاظ ہوا میں گونجے کہ "حسینؑ کا بچہ زندہ نہ رہنے پائے" اور اُدھر حرملہ بن کاہل کا تیر معصوم اصغر، بے زبان اصغر، دودھ کو ترستے اور پانی کو پھڑکتے اصغر کے حلقوم کے پار تھا!

۳۵۔ سید الشہدا

مردوں میں امام حسینؑ کے سوا غریب الوطن سیدانیوں کے سر پر جب کوئی نہ رہا تو زین العابدین میدانِ جنگ میں جانے کے لئے اٹھے۔ یہ سید الشہداء کے منجھلے لڑکے اور بعض مورخین کے بیان کے مطابق سب سے بڑے لڑکے تھے۔ اور شادی شدہ تھے۔ فرانسیسی مورخ موسیو سیدلو کا یہ بیان کہ واقعہ کربلا کے وقت امام زین العابدین صغیر سن تھے قطعی غلط ہے، جیسا کہ کربلا کے بعد کے واقعات سے ثابت ہو رہا ہے۔ بہرحال امام زین العابدین جوان تھے مگر بیمار تھے۔ نقاہت کا یہ حال تھا کہ چند قدم ہی چلے تھے کہ پاؤں لڑکھڑانے لگے امام حسینؑ نے ان کے سر پر ہاتھ

پھیرا اور کہا "بیٹا! بخار سے تمہارا بدن اس وقت بھی جھلس رہا ہے۔ کمزور حد سے زیادہ ہو رہے ہو پاؤں رکھتے کہیں ہو پڑتا کہیں ہے۔ تمہاری حالت ہرگز میدانِ جنگ کے قابل نہیں۔ خدا تمہیں صحت دے اور زندہ سلامت رکھے تاکہ خاندان کی نسل بالکل ہی ختم نہ ہو جائے۔"

اب امام حسینؑ ہتھیار لگانے کے لئے دوسری طرف چلے تو بی بی زینب یہ کہہ کر "اپنے بھائی کے ہتھیار زینب لگائے گی۔" حضرت امام کے ہتھیار باندھنے لگیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا "ہاں زینب اب تیرا بھائی تجھ سے رخصت ہوتا ہے جو چند لمحوں کا دنیا میں مہمان ہے۔ جس کی صورت کی تو ہمیشہ پروانہ رہی جس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے جو کسی انسان سے کسی طرح بھی ممکن ہو سکتی ہے کبھی دریغ نہ کیا۔ تجھ سے پہلے دنیا میں کوئی ایسی بہن نہیں ہوئی اور نہ مستقبل میں کوئی بہن اپنے بھائی کے لئے اتنا کر سکے گی جو تو نے کیا۔ دنیا قیامت تک حسین کی عاشق زار بہن کو نہیں بھول سکتی اور عالم انسانیت میں زینب کا نام ہمیشہ عزت اور احترام ہی نہیں عقیدت اور محبت کے ساتھ لیا جائے گا۔ تیری شجاعت اور صداقت تیری فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ساتھ تیرا ایثار اور نفس کشی، تیرا ضبط اور تحمل مسلمان خواتین کے لئے ایک ایسی مثال ہو گی جسے سامنے رکھ کر وہ منزلِ مقصود پر پہنچ سکیں گی۔ تو نے مدینہ کوفہ اور مکہ میں باپ کے خون اور ماں کے دودھ کا حق ادا کیا اور آج کربلا کو دکھا اور دنیا کو بتا دیا کہ بہن کسے کہتے ہیں۔ زینب، شرمندہ ہوں ایسی حالت میں چھوڑ رہا ہوں کہ کوئی تیرا سر دھرا نہیں مگر سب سے بڑا وارث وہ ہے جس کی راہ میں سب کچھ لٹانے کے بعد تیرا بھائی سر کٹانے جا رہا ہے۔"

بھائی کو ہتھیاروں سے آراستہ کر چکی تھیں گفتگو کا ایک ایک لفظ دل پر تیر بن کر لگ رہا تھا ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ نظریں اونچی کیں۔ بھائی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا اور یہ کہہ کر چمٹ گئیں "میرا بھائی۔"

اب امام حسینؑ نے بی بی شہر بانو سے کہا "یزدگرد کی پوتی اور علیؑ کی بہو میری خاطر

جو تکلیفیں تم نے اٹھائیں میں انھیں نہیں دہرانا چاہتا۔ تمہاری فرمانبرداری، خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کا میرے پاس کچھ صلہ نہیں۔ میرے بعد خدا جانے تمہارا کیا حشر ہو۔ مگر یاد رکھنا کہ استقامت میں فرق نہ آئے۔ اور مصائب کتنی ہی شدید کیوں نہ ہوں دامنِ صبر ہاتھ سے نہ چھوٹے۔"

اس کے بعد آپ نے زین العابدین کو پیار کیا اور فرمایا "اگر زندہ رہو تو مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ثابت قدمی اور صداقت زینۂ کامیابی کی ابتدائی سیڑھیاں ہیں۔ آفات سے گھبرا کر ہمت ہار دینا اور تکالیف سے پریشان ہو کر بلبلا اٹھنا مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ حسینؓ نے ہر تکلیف ہنسی خوشی برداشت کی مگر اس کے پائے استقلال میں فرق نہ آیا۔ دنیاوی کامیابی اس کے قدموں پر بچھا ورہوتی مگر اس نے راہِ حق سے منہ نہ موڑا۔ جب افلاس کی گھٹا ان کے سروں پر چھائی ہوئی ہو، جب بھوک اور پیاس نے اُن کی جان پر بنا دی ہو یا دولت کی ریل پیل ہو اور مسرت کے قہقہے اور چہچہے تو غریب الوطن حسینؑ کی بھوک اور پیاس کو پیش نظر رکھیں، جب مائیں بچوں کو دودھ پلائیں تو شہر بانو کے معصوم اصغر کو یاد رکھیں، جسے دودھ تو دودھ پانی کے چند قطرے بھی میسر نہ آئے۔ جب بیٹوں کو دولھا بنائیں تو اکبر جیسے کڑیل شیر کا بھی خیال کر لیں جو جوان ہوا تھا قبر کا دولھا بننے کے لئے اور جب مائیں اور بیویاں بہنیں اور بیٹیاں اطمینان اور بے فکری کی فضا میں سانس لیں تو زینب اور شہر بانو۔ ام کلثوم اور سکینہ کو نہ بھولیں جو کربلا میں آ کر لٹ گئیں۔"

اب امام حسینؓ خیمہ سے باہر آئے۔ بی بی زینبؓ نے اپنے بھائی کو گھوڑے پر سوار کرایا۔ اور وہ خدا حافظ کہہ کر میدانِ جنگ میں تشریف لائے اور عمرو سعد کے لشکر سے یوں خطاب کیا۔

"آج جمعہ کا مبارک دن ہے اور مسلمان فریضہ نماز ادا کر رہے ہوں گے اُن کی زبان پر جس محمدؐ کا نام ہے۔ اُسی کے نواسے کو، جو قرآن اُن پر نازل ہوا تھا اس کو اپنا ایمان سمجھنے والو اسی نبی آخر الزماں کے پیارے کو قتل کرنے کے لئے تم لوگ کمر بستہ ہو؟ روزِ محشر میں جن کی شفاعت پر بھروسہ

رکھتے ہو اسی مقدس انسان کے مبارک کندھوں کے سوار کے خون سے پیاس بجھانے کے لئے یہ ہزاروں تلواریں چمک رہی ہیں؟ عمر و سعد تو نے چمنستانِ زہرا کا ایک ایک پھول چن چن کر مسل ڈالا۔ تو نے تین دن تک انھیں پیاسا مارا اگر تو نے دیکھ لیا اُن کے پائے ثبات میں ہلکی سی بھی لغزش نہ ہوئی اور وہ آخر وقت تک بیعت یزید پر لعنت بھیجتے رہے۔ دنیا چند روزہ اور تمہاری جھوٹی کامیابی کی خوشیاں عارضی ہیں مگر اے عمر و سعد تم نے کربلا کے میدان میں آلِ رسول کے ساتھ جو کچھ کیا ہمیشہ باقی رہے گا۔ تم نے مسلمان ہو کر انسانیت ہی کے نہیں اسلام کے نام کو بٹہ لگا دیا۔ اور یہ وہ کلنک کا ٹیکہ ہے جو کسی کے چھٹائے نہ چھٹ سکے گا۔ اس لئے کہ اتمام حجت کی ذمہ داری مجھ پر نہ آئے۔ میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر تمہاری عقل پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور تم اپنی ہٹ پر قائم ہو۔ یزید اپنی خلافت پر۔ ابن زیاد اپنی حکومت پر اور اے عمر و سعد اور شمر ذی الجوشن تم لوگ اپنی ہوشیاری اور عیاری پر کتنے ہی خوش ہو لو۔ مگر حسینؑ کے یہ الفاظ یاد رکھنا کہ وہ دن آئے گا اور ضرور آئے گا جب قانونِ قدرت تم سے انتقام لے گا۔ اور چپہ چپہ اور کونے کونے سے تم پر لعنت ملامت ہوگی یزید بھول گیا۔ ابن زیاد کو یاد نہ رہا اور تم لوگوں نے خیال نہ کیا کہ حسینؑ کی تربیت کس نانا نے اور حسین کی پرورش کس باپ نے کی ہے حسین نے کس ماں کا دودھ پیا ہے اور حسینؑ کی عمر کس بہن کی رفاقت میں گزری ہے، صبر و رضا ہمارا موروثی شیوہ ہے اور ضبط و تحمل ہماری فطرت۔ پانی کیا اگر ہوا بھی تمہارے قبضہ قدرت میں ہوتی تو اسے بھی بند کر کے دیکھ لیتے کہ صداقت کے لئے حسین کی استقامت اور استقلال میں فرق نہ آسکتا تھا۔"

امام حسینؑ کی اس تقریر کے جواب میں عمر و سعد نے کہا "میں آپ کا وعظ سننے کے لئے نہیں آپ کا سر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنے کے لئے میدانِ کربلا میں آیا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے انس بن سنان کی طرف اشارہ کیا کہ حملہ کرے۔ وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ امام حسینؑ کی برچھی اس کے سینہ کے پار تھی۔ اس کے بعد باری باری سات آدمی عمر و سعد

کے لشکر سے نکلے اور زمین پر گر کر تڑپے۔ اب عمرو سعد نے سب کو مل کر حملہ کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص حسینؑ کو قتل کرے گا۔ اسے مالا مال کر دیا جائے گا۔ عمرو بن سعد کے اس اعلان کے بعد امام حسینؑ کو دشمنوں نے گھیرے میں لینا شروع کیا تو ابن علی رضؓ کی تلوار جدھر گئی ستھراؤ کر دیا۔ بالآخر ایک شخص امان کا تیر سید الشہداء کے حلق کے آر پار ہو گیا اور اسی حالت میں آپ لڑتے اور دشمنوں کو گراتے ہوئے نشیب کی طرف پہنچے جس وقت سیدہ کا لال تن تنہا ہزاروں دشمنوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس وقت سیدہ کی بیٹی خیمہ کے دروازہ پر کھڑی بھائی کی جنگ دیکھ رہی تھی۔ جب امام حسینؑ کے گھوڑے نے نشیب کا رُخ کیا تو بی بی زینب جن کی جان اپنے بھائی کے ساتھ لڑی ہوئی تھی۔ تیز قدموں سے اس ٹیلہ پر پہنچیں جو آج بھی تل زینبیہ کہلاتا ہے۔ امام حسینؑ خون کی کلیاں کرتے ہوئے تیغ حیدری کے جوہر دکھا رہے تھے کہ زرعا بن شارق کی تلوار بائیں ہاتھ پر پڑی اور آپ گھوڑے پر سے گر پڑے۔ اُس وقت چاروں طرف سے زخموں سے نڈھال سیّد پر تلوار کے وار ہو رہے تھے۔ اُس وقت جب تیروں کی بوچھاڑ سے سارا جسم چھلنی ہو چکا تھا عمر سعد گھوڑا دوڑاتا ہوا ادھر آیا تو بی بی زینب نے باآواز بلند کہا "اے عمرؓ سعد اگر حمیت دین اور پاس قرابت داری دونوں چیزیں غارت ہو گئیں تو قریشی خون تو تجھ میں ہے۔ ایک قریشی سردار کو اس حالت میں تیری آنکھیں کس طرح دیکھ سکتی ہیں!!" یہ سنکر عمرو سعد وہاں سے ہٹ گیا۔ مگر اب سنان بن انس کا تیر امام حسینؑ کے سینہ پر آ کر لگا۔ سنان نے دوڑ کر نیزہ کھینچا تو شمر ذی الجوشن خنجر نکال کر آگے بڑھا اور بائیں ہاتھ سے داڑھی پکڑی، پیاسے امام نے کانٹے پڑی ہوئی زبان دکھا کر کچھ فرمانا چاہا کہ اُس نے سینہ پر چڑھ کر خنجر گلے پر رکھا اور جس سر کو محمد رسول اللہ بوسے دیتے تھے تن سے علیحدہ کر دیا اور پھر جب خونی نے سر نیزہ پر چڑھا کر بلند کیا تو بی بی زینب کے یہ الفاظ شہادت گہہ کربلا میں گونجے "اے ملعونو تمہارے کلیجوں میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ حسینؑ کا سر نیزہ پر چڑھا لیا۔ مگر اب وہاں سے ہٹ جاؤ تاکہ

زینب بھائی کے جسم کو اپنے ہاتھ سے پیوندِ زمین کر دے" ان الفاظ کا جواب عمرو سعد کی طرف سے یہ ملا کہ جس جسم پر سیّدۃ النساء قربان ہوتی تھیں، اس پر گھوڑے کود رہے تھے اور اس وقت تک کودتے رہے جب تک ہڈی پسلی چور چور نہ ہوگئی!!

۳۶۔ لٹی ہوئی سیدانیاں

ٹھیک اُس وقت جب مسجدوں میں نمازِ ظہر ادا ہو رہی تھی۔ کربلا کے ریگستان میں نبیؐ کے پیاروں کے قتل اور بربادی پر شادیانے بج رہے تھے۔ اِدھر فتح کے نقارے اور کامیابی کے قہقہے تھے۔ اور اُدھر حسینی خیموں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ اسوقت عمرو بن سعد، شمر ذی الجوشن، خولی اور سنان لٹی ہوئی سیدانیوں کے خیمہ کی طرف آئے۔ اور شمر اندر داخل ہوا تو بی بی زینب نے للکار کر کہا "ارے کمبخت پرے ہٹ جا اور قہر آلود نظریں رسُول زادیوں پر نہ ڈال، یہاں علی رضہ کی بہو اور نبیؐ کی نواسیاں ہیں۔ ہمارے سر دھرے خاک و خون میں ملانے کے بعد ہماری بے حرمتی نہ کر۔ تیرے پاؤں کٹ جاتے اس سے پہلے کہ حرمِ حسینؑ کی طرف قدم بڑھاتے۔ تیری آنکھیں پھوٹ جاتیں قبل اس کے کہ زینب بنت علی رضہ کے چہرہ پر پڑتیں۔"

شمر نے سُنا بھی نہیں کہ رسُول کی نواسی کیا کہہ رہی ہے خیمہ کے دوسری طرف دیکھا تو نحیف و نزار، لاغر اور ناتواں بخار زدہ زین العابدین نظر آئے۔ عمرو سعد سے کہا "اس کو بھی قتل کرتا ہوں تاکہ حسین کا نام و نشان بالکل ہی نہ رہے" مگر عمرو سعد کی رائے ہوئی کہ اسے زندہ خلیفہ یزید کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ اب سیدانیوں کے خیمہ کو لوٹا گیا۔ زر و جواہر اور مال و متاع کیا ہاتا۔ وہاں اللہ کا نام تھا۔ لیکن جن شقی القلب انسانوں کے ہاتھ رسولؐ کے پیاروں کو قتل کرنے کے لئے بڑھے تھے۔ وہ سیدانیوں کی بے حرمتی سے کس طرح رُک سکتے ــــ خاک میں اَٹی ہوئی ردائیں

قمیصیں چھیر چھیر کی گئیں۔

پھر ایک خیمہ میں عورتوں اور بچوں کو پہنچا دیا گیا۔ ساری رات میدانِ کربلا میں ایک طرف کامیابی کا جشن منا رہا تھا۔ اور دوسری طرف ایک خیمہ میں اندر بی بی زینب پہرہ دیتی رہیں۔ اور خیمہ کے باہر کئی سو جوان ننگی تلواریں لئے جاگتے رہے۔ تاکہ لٹی ہوئی سیدانیوں اور معصوم بچوں میں سے کوئی جان بچاکر بھاگ نہ جائے۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ اسی دن اور بعض کا بیان ہے کہ دوسرے دن عمرؓ سعد نے اپنی فوج کے مقتولین کی نعشیں دفن کرائیں مگر امام حسینؑ کے ساتھیوں کی نعشیں اسی طرح پڑی رہیں۔

ایک بیان یہ ہے کہ تین دن کے بعد عامریہ نامی ایک گاؤں کے رہنے والے مسلمانوں نے شہدا کو دفن کیا۔

باب چھٹا

کربلا کے بعد

۳۷۔ سفر کوفہ اور بی بی زینب کی تقریر

۱۱۔ محرم کو یعنی دوسرے روز اہلبیت کو جن کے کپڑے لیری اور جن کے چہرے گردآلود تھے رسیوں سے کس کر باندھ دیا گیا اور پھر اونٹوں پر جن کی پشت پر کجاوہ بھی نہ تھا بٹھایا گیا سیدانیوں کے چہرے کھلے ہوئے اور اُن کے ہاتھ پُشت کی طرف بندھے ہوئے تھے۔

شہداء کے سر قبائل کے سرداروں میں تقسیم کر دیئے گئے تاکہ وہ نیزوں پر چڑھا کر بلند کریں۔ اور دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ مختلف قبیلوں کے سردار مقتولین کے سر نیزہ پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ اہلبیت کے ساتھ ہمدردی نہ ہو۔ امام حسینؑ کا سر خولی کے سپرد تھا اور اس طرح کہ آگے آگے شہدا کے سر۔ ان کے بعد اہلبیت کے اونٹ تھے۔ خانماں برباد قافلہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

مغرب کی سمت، ناموسِ محمدؐ کی بے حُرمتی کی تاب نہ لاکر آفتاب روپوش ہو رہا تھا کہ مشرق کی طرف سے لشکرِ عمرو سعد کی تلواروں کی چمک دمک شہر کوفہ پر پڑنی شروع

ہوئی۔ یہ وہی کوفہ تھا جس کی زمین کئی سال تک زینب بنت علی رضہ کے قدم سرپر رکھے اور پاؤں سے آنکھیں ملی تھیں۔ یہ وہی کوفہ تھا جس کی خواتین سیدۃ النساء کی بیٹی کے مواعظ اور ارشادات پر پروانہ وار گرتی اور بیان سُن کر گھنٹوں روتی تھیں اسی زمین کوفہ پر، آسمان کی گردش چشم کیا دکھا رہی ہے! وہی زینب اس حالت میں داخل ہوتی ہیں کہ اونٹ کی ننگی پشت پر بیٹھی ہیں۔ کھلے چہرے پر بال پڑے ہیں۔ اور کپڑے جھیر جھیر اور تار تار ہیں!!

جب ننگی تلواروں کی نگرانی میں لُٹی ہوئی سیدانیوں کا قافلہ شہر میں داخل ہُوا تو بازاروں میں، دوکانوں میں، دیواروں، درختوں اور مکانوں کی چھتوں پر مرد۔ عورتیں اور بچے اہل بیت نبویؐ کا تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ شہداء کے سر اور اہل بیت کی بے کسی دیکھ کر بعض عورتوں کے دلوں میں ہمدردی پیدا ہوئی اور انھوں نے بچوں کو کھجوریں دیں۔ تو بی بی زینب نے یہ کہہ کر پھینکوا دیں کہ "صدقہ آلِ محمدؐ پر حرام ہے" اور جب بی بی زینبؓ نے یہ دیکھا کہ ان کے نانا کے کلمہ گو رسولؐ زادیوں کو گھُور گھُور کر دیکھ رہے ہیں۔ تو للکار کر کہا "لوگوں اپنی نظریں نیچی رکھو"۔

کوفی اپنی دغا بازی اور غداری پر دل میں پشیمان ہوئے اور رونے لگے۔ تو بی بی زینب نے کوفہ کے بازار میں ایک تقریر کی۔ مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ حادثہ کربلا کے بعد بی بی زینب کی یہ پہلی تقریر تھی۔ انہوں نے خلقت کے، تہیں تماشائیوں کے، بدعہد کوفیوں کے، ہجوم کو دیکھا تو بے اختیار ہو گئیں۔ اور بازار کوفہ میں بنت علی رضہ کے یہ الفاظ گونجے "خاموش ہو جاؤ" ہر شخص جامد اور ساکت تھا اور سانس لینے کی بھی آواز نہ آتی تھی کہ یہ تاریخی تقریر کی:

"ہر قسم کی خوبیاں اور تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں۔ میرے باپ محمدؐ اور ان کی پاک اولاد پر خدا کی رحمت ہو۔ اے کوفہ والو! اے عہد شکنو! اپنی زبان سے

پھر جانے اور اپنے الفاظ کو بھول جانے والو! تم رو رہے ہو!! تمہاری مثال اسی عورت کی سی ہے۔ جو سوت کاتتی ہے اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تم میں ایک متنفس بھی ایسا ہے جو جھوٹا، عہد شکن اور شیخی خورا نہ ہو جس کے دل میں کھوٹ نہ ہو لونڈیوں کی طرح چاپلوسی اور خوشامدی نہ ہو۔ دشمنوں کا سا کینہ نہ رکھتا ہو، جو راہ حق چھوڑ کر بے دینی پر جھگڑتا نہ ہو۔ یاد رکھو جو کچھ تم نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے وہ بہت بُرا ہے۔ تم پر خدا کا غیض و غضب ہے۔ اور تم اس کے قہر میں مبتلا ہو گے۔ ارے تم اے جھوٹے کوفیوں تم، میرے بھائی پر گریہ اور نوحہ کر رہے ہو۔ ہاں خدا کی قسم روؤ اور خوب روؤ۔ تم کو رونا ہی مناسب ہے ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ تم نے بہت بُری بُری باتوں کی آرزوئیں کی ہیں۔ جن کو تم رو دھو کر کبھی اپنے دامن سے پاک صاف نہ کر سکو گے۔ بھلا بتاؤ تو تم خاتم نبوت اور معدنِ رسالت کے فرزند کے قتل کے داغ کو کیوں کر دھو کر صاف کر سکتے ہو۔ جنت کے نوجوانوں کے قتل کا دھبہ کس طرح مٹا سکتے ہو۔ وہ تمہاری لڑائیوں میں تمہاری پناہ گاہ تھا۔ تمہاری جماعتوں کا محافظ تھا۔ تمہاری سلامتی کی قرار گاہ تھا۔ تمہارے کلمہ کی اساس اور بنیاد تھا۔ تمہاری مصیبتوں اور تمہارے حوادث میں تمہارا جائے پناہ، تمہارے دلائل کی روشنی اور نشان تھا۔ تمہارا تمدن اور تمہاری معاشرت درست کرنے والا۔ تمہاری باہمی گفتگو کا مرجع۔ آہ کس قدر بُری بات ہے۔ وہ چیز جس کو تم آخرت میں بھیج چکے ہو۔ اور کتنی سنگین ہے وہ چیز جس کو تم نے قیامت کے لئے چھوڑا ہے۔ وہ چیز تم کو بہت دور کرنے والی ہے۔ (یعنی جنت سے) تم کو ڈس لینے والی ہے۔ تم کو اوندھا ڈال دینے والی ہے۔ تمہاری کوشش ناکام رہی۔ تمہارے ہاتھ ہلاک ہو گئے۔ حسرت و نا داری نے تمہارے چہرے بگاڑ دیئے۔ تم خدا کے غیض و غضب کا ٹھکانہ بن گئے۔ کوفہ والو! تمہیں معلوم ہے تم نے محمدؐ کے کونسے جگر گوشے کو پھاڑا اور کون سے عہد کو توڑا ہے اور محمد صلعم کی کونسی بیٹی کی بے حرمتی کی ہے۔ اور کون سے خون کو تم نے بہایا ہے۔ آہ! تم

ایک بہت بڑے حادثہ کے مرتکب ہوگئے ہو۔ تم ایک ایسے جرم کے مرتکب ہوئے ہو۔ جو منہ بگاڑ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔ اگر اس موقع پر آسمان سے خون کی بارش ہو تو کیا تم تعجب کرو گے۔ (یاد رکھو) آخرت کا عذاب تمہیں رسوا کرنے والا ہے اور وہاں ایسے لوگوں کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ کوئی طاقت خدا کے کاموں میں دخیل نہیں اور نہ انتقام لینے سے کوئی روک سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے۔"

تقریر سن کر بعض کوفیوں نے طعن کے طور پر کہا تھا کہ "جو لفاظی ان کے باپ علی رضؓ میں تھی وہی ان میں بھی ہے۔" مگر دشمنوں میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کی زبانیں اُن کی شجاعت، فصاحت، خطابت کا اعتراف ان الفاظ میں کر رہی تھیں۔ "فصاحت و بلاغت ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ آخر علی رضؓ کی بیٹی ہیں۔"

اس سلسلہ میں بشیر بن خزیم اسدی کا بیان ہے کہ "جس وقت بی بی زینبؓ نے تقریر شروع کی تو مجمع پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ اور سانس لینے کی آواز بھی نہ سنائی دیتی تھی۔ ان کی تقریر سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت علی رضؓ تقریر کر رہے ہیں۔"

۳۸۔ ابنِ زیاد کا دربار اور بی بی زینبؓ کا مکالمہ

دوسرے روز ابنِ زیاد حاکم کوفہ نے دربارِ عام منعقد کیا۔ عمائدین شہر اور فوج کے بڑے بڑے افسر جب جمع ہوگئے تو عمرو سعد کو حکم دیا کہ مقتولین کے سر اور ان کے ورثاء کو حاضر کیا جائے۔ امام حسینؑ کا سر ایک طشت میں اور دوسرے شہداء کے سر دوسرے طشت میں پیش کئے گئے۔ پھر حرم اہلِ بیت کو پہنچایا گیا اور بی بی زینبؓ ایک گوشہ میں کھڑی ہوگئیں۔ ابن زیاد نے شہداء کے سروں اور اہلِ بیت پر ایک نظر ڈالی۔ اور بی بی زینب کے کپڑے دیکھ دریافت کیا "یہ عورت کون ہے؟" کسی نے کہا "یہ علی رضؓ ابن ابی طالب کی صاحبزادی اور حسینؑ کی بہن

زینب کبریٰ ہیں۔" یہ سُن کر ابن زیاد نے کہا " خدا کا شکر ہے اس نے تم کو ذلیل و خوار کیا۔ اور تمہارے نوجوانوں کو جھوٹا بتا دیا۔"

بی بی زینبؓ نے جواب میں فرمایا " اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے نبیؐ محمد کے ذریعہ ہم کو عزت و شرف مرحمت فرمایا۔ آپ پر اور آپ کی اولاد پر خدا کی رحمت ہو۔"

ابن زیاد نے کہا " تم نے دیکھا خدا نے تمہارے بھائی حسین کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

جناب زینبؓ نے فرمایا " میں نے تو خوبی ہی دیکھی ہے یہ وہ لوگ تھے جن کے لئے خدا نے شہادت کا درجہ رکھا تھا اور وہ باہر نکل کر اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ خداوند تعالیٰ تجھ کو اور ان کو اکٹھا کرے گا۔ وہ تیرے مظالم کی فریاد کریں گے۔ ابن زیاد تجھ کو بھی خدا کے حضور میں حاضر ہونا پڑے گا۔ تو جواب دہی کے واسطے تیار ہو جا۔ اس وقت تو خود دیکھ لے گا کہ کون رسوا ہوتا ہے۔"

بی بی زینبؓ کی اس گفتگو سے عبید اللہ ابن زیاد اس قدر غضب ناک ہوا کہ ان کے قتل کا ارادہ کر لیا مگر عمرو بن حریث نے یہ کہہ اس کا غیض و غضب ٹھنڈا کیا کہ " عورتوں کی باتوں پر کوئی سمجھ دار انسان کان نہیں دھرتا۔" اب ابن زیاد نے بی بی زینبؓ سے کہا " خدا نے باغی اور سرکش حسینؓ کے قتل سے میرے دل کو شفا بخشی ہے۔"

بی بی زینبؓ نے فرمایا " اپنی جان کی قسم تو نے میرے ادھیڑ لوگوں کو مار ڈالا۔ میرے اہل کو بے پردہ کیا۔ میری شاخوں کو قطع اور میری جڑ کو کچل ڈالا۔ اگر یہ باتیں تیرے لئے شفا ہیں تو بے شک تو نے شفا پائی حاصل کی۔"

ابن زیاد نے ان جملوں کو سن کر کہا " یہ عورت سجع اور قافیہ میں بات کرتی ہے۔" یعنی نہایت فصیح و بلیغ اور صاف گو ہے۔ پھر بی بی زینب سے کہا " تمہارے باپ بھی شاعر تھے۔ تم کو شاعری اور خطابت میں جو ملکہ حاصل ہے۔ مجھے اس پر تعجب نہیں۔"

جناب زینب نے فرمایا " جو کچھ میں نے کہا ہے۔ یہ شاعری ہے نہ خطابت بلکہ صداقت ہے۔ اے ابن زیاد تجھے شرم نہیں آتی کہ فضول باتیں بنا رہا ہے۔"

اب عبیداللہ ابن زیاد نے عابدؓ بیمار کی طرف اشارہ کرکے پوچھا "یہ لڑکا کون ہے؟"
عمر وسعد نے کہا "حسینؑ کا لڑکا ہے اسے اس وجہ سے قتل نہیں کیا کہ یہ بیمار ہے"
ابن زیاد نے کہا "اسے میرے سامنے قتل کردو تاکہ مرد کی صورت میں حسینؑ کا نام لیوا کوئی
نہ رہے" یہ سن کر بی بی زینبؓ عابد بیمار پر جھک گئیں اور کہا "اے ابن زیاد۔ کونسا ستم تھا
جو تونے ہم پر نہ توڑا۔ یہ بچہ ہاتھ لٹکا کر دیکھ رسیوں میں جکڑا ہوا اب بھی بخار میں جھلس رہا ہے۔
اگر تو اُسے بھی شہید کرنا چاہتا ہے۔ تو پہلے ہم سب کو مار ڈال" ابن زیاد پر جناب زینبؓ
کے ان الفاظ کا اثر ہوا اور اس نے قتل عابد کو اشارہ سے روک دیا۔

جناب زینبؓ اور ابن زیاد کی جو گفتگو اوپر لکھی گئی ہے۔ اس کے متعلق مورخین میں
کوئی خاص اختلاف نہیں البتہ ابن زیاد کے دربار کے ایک واقعہ سے بعض مورخ اختلاف
کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ اور اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ سے نقل ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد
کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ جب امام حسینؑ کا سر طشت میں لاکر اس کے سامنے رکھا گیا تو اس نے
سیدالشہداء کے دانتوں کو چھیڑنا شروع کیا۔ مشہور صحابی حضرت زید بن ارقم اس وقت
وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ابن زیاد سے کہا "چھڑی ہٹالے۔ قسم ہے خدائے واحد
کی میں نے رسولؐ اللہ کو ان ہونٹوں پر بوسے دیتے ہوئے دیکھا ہے"

اس کے بعد ابن زیاد نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو مسجد جامع کے قریب
کھنڈر میں لے جاؤ۔ اور وہیں رکھو۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ کھنڈر کا نہیں قیدخانہ کا
حکم دیا تھا۔

۳۹۔ سفر شام۔ یزید کا دربار اور جناب زینب کی تقریر

محرم کی بارہویں تاریخ کو عبیداللہ ابن زیاد نے یزید کو واقعہ کربلا کی خبر دینے کے لئے
قاصد روانہ کیا۔ اور جب تک قاصد یزید کا حکم لے کر واپس نہ آیا۔ اہل بیت نبوتؐ کوفہ میں
رہے۔ یزید کو جب اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے مشیروں سے صلاح لی۔ اور سب کا مشورہ

یہ ہوا کہ مقتولین کربلا کے سروں کو اور اہل بیت کو دمشق میں جو یزید کا دارالخلافہ تھا طلب کیا جائے"۔ چنانچہ قاصد نے ابن زیاد کو یزید کا یہ حکم لاکر دیا کہ "مقتولین کے سر اور قیدیوں کو مع ان کے ساز و سامان کے فوج کی نگرانی میں بھیجو۔" عبیداللہ ابن زیاد نے حکم ملنے کے چوتھے روز فوج کی نگرانی میں شہداء کے سر اور اہل بیت کو شام کی طرف روانہ کر دیا۔

دمشق جب چار میل کے فاصلہ پر رہ گیا تو اہل بیت کو ٹھیرایا گیا۔ یزید کو اطلاع کی گئی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ یزید نے دوسرے ہی دن اور بعض کا بیان ہے کہ ایک خاص دن معین کر کے دمشق میں حاضر ہونے کا حکم بھیجا۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق یزید نے حکم جاری کیا کہ کل نہایت دھوم دھام سے جشن منایا جائے۔ مرد عورت بڑے اور بچے بہترین لباس سے آراستہ ہوں۔ سارے شہر کو دلھن بنایا جائے اور ہر شخص سے خوشی کا اظہار ہو چنانچہ روز مقررہ پر اہل بیت نبوی لشکر کی نگرانی میں دمشق میں داخل ہوئے تو بازار میں گشت لگایا گیا اور ان کو مسجد جامع کے سامنے ٹھیرایا گیا۔ مگر بعض مورخین کا بیان ہے کہ شہر کو آراستہ کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ نہ گشت کرایا گیا۔ اور اہل بیت کو یزید کے محل میں ٹھیرایا گیا

دربار یزید کے حالات میں بھی مورخین کا سخت اختلاف ہے۔ ایک بیان یہ ہے کہ یزید نے شاہی تخت پر بیٹھ کر حکم دیا کہ دختران علی و فاطمہ رض کو فوراً حاضر کرو۔ فوراً ہی افسران دربار نے اہل بیت کو اس طرح رسیوں میں جکڑا کہ عابد بیمار کے گلے اور حضرت زینب رض کی کلائی پر سخت پھندا تھا اور ام کلثوم کا بازو جناب زینب رض کے بازو سے بندھا ہوا تھا۔ رقیہ کا شانہ ام کلثوم سے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو بڑوں کے ساتھ اس طرح باندھا تھا کہ بڑے سیدھے کھڑے ہوتے تو بچے لٹک جاتے اور بڑے ان کی وجہ سے سر جھکا لیتے۔ اہل بیت کا لباس اس قدر بوسیدہ اور خاک میں اٹا ہوا تھا کہ یزید نے کہا "لونڈیوں کو کیوں لاتے ہو؟ علی رض اور فاطمہ رض کی بیٹیوں کو پیش کرو۔" اس پر شمر نے کہا "یہی اولاد علی اور فاطمہ رض ہیں" یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام حسین رض کی بیٹی جناب سکینہ اور دوسری خواتین کو ان کا اونٹ تیز نہ چلنے

پر راستہ میں مارا پیٹا بھی گیا تھا۔ یزید جس وقت تخت شاہی پر بیٹھا تھا۔ تو اس کی بیٹی اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سکینہؓ کی طرف اشارہ کر کے یہ کہا کہ "آبا یہ لڑکی مجھے دیدیجئے میں اسے لونڈی بناؤں گی"۔ تو جناب زینبؓ نے گرجدار آواز میں فرمایا "کس کی مجال ہے جو زینبؓ کی زندگی میں سکینہ کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے"۔

مؤرخین کا دوسرا بیان یہ ہے کہ یزید نے بھرے دربار میں کہا تھا کہ "خدا اس لونڈی بچے کو غارت کرے جس نے حسینؑ کو قتل کیا"۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ یزید نے یہ الفاظ بھی کہے تھے کہ میں میدانِ جنگ میں موجود نہ تھا۔ قتل حسینؑ کی ساری ذمہ داری ابن زیاد اور عمرو بن سعد پر ہے"۔ جب جناب زینبؓ نے یزید سے یہ کہا کہ "جس کو تو نے اپنا دشمن سمجھا وہ تجھ سے بہتر تھا۔ اور میرا بھائی اور باپ تجھ سے اور تیرے باپ سے بہتر تھے"۔ تو یزید نے جواب دیا "بے شک تیرا نانا میرے دادا سے۔ تیری ماں میری ماں سے بہتر تھیں۔ مگر یہ فیصلہ خدا کرے گا کہ میرے باپ اور تیرے باپ میں کون بہتر ہے"۔ اس کے جواب میں بی بی زینبؓ نے فرمایا "خدائی فیصلہ سے پہلے دنیاوی فیصلہ ہر آنکھ دیکھ رہی ہے اور دیکھ لے گی کہ کون بہتر ہے؟"

دربار یزید کا ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کا سر سونے کے طشت میں دیکھ کر یزید نے کہا "اے حسینؑ خدا تم پر رحم فرمائے۔ ہم نے بہت چاہا کہ تم اپنی ضد سے باز آجاؤ مگر تم نے ہم سے بغاوت کی اور اس حال کو پہنچے۔ یہ کہہ کر اس کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس سے امام حسینؑ کے سر کو چھیڑا اور دانتوں پر رکھ کر کہا "اس منہ سے میری خلافت سے انکار کیا تھا"۔ ابوذر برزہ اسلمی اور بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق ابو بدر تی صحابی لرز گئے اور کہا "کیا غضب کرتا ہے۔ میں نے ان آنکھوں سے رسول اللہ کو ان لبوں کے بوسے لیتے ہوئے دیکھا ہے"۔

بعض مؤرخین اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ابن زیاد

کے دربار کا ہے لیکن اس موقعہ پر دربار یزید میں جناب زینبؓ نے جو زبردست تقریر کی تھی وہ تیار ہی ہے کہ یزید سے بھی یہ گستاخی ہوئی۔ جس وقت بی بی زینبؓ بول رہی تھیں۔ تو دربار یزید میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہم اس تقریر کا ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔ اور یہ شامی تقریر کہلاتی ہے۔ جب یزید بے پرواہی کے ساتھ اپنی چھڑی امام حسین رضؓ کے ہونٹوں پر رکھ کر رہا تھا تو جناب زینبؓ نے بے اختیار ہو کر یہ تقریر کی :-

"ہر قسم کی تعریف اللہ کو سزاوار ہے۔ جو پروردگار ہے دونوں جہانوں کا۔ خدا کی رحمت میرے نانا رسولوں کے سردار پر ہو۔ خداوند تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ بالآخر برائی کرنے والے کا انجام برا ہوا۔ کیونکہ انھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے تمسخر کرتے تھے۔ یزید جب تو نے ہم پر زمین کو محدود اور آسمان کے گوشوں تک کو ہم پر بند کر دیا اور ہم تیرے قیدی بن گئے۔ ہم کو باندھ کر گھسیٹ کر تیرے پاس لایا گیا اور ہم پر تجھ کو اقتدار حاصل ہو گیا تو کیا تو یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اللہ نے ہم کو ذلت میں ڈال دیا اور تجھ کو خدا نے بزرگی اور عظمت عطا کر دی کہ (تو نے اس خیال سے) اپنی ناک کو اونچا کر لیا (یعنی غرور و تکبر میں مبتلا ہو گیا) اپنے پہلوؤں کو سمیٹ لیا۔ اتراکر اپنی پراگندگی اور پریشانی کو پھینک دیا جبکہ تو نے دیکھا کہ دنیا تیرے پیچھے چلی آ رہی ہے یا تو دنیا کو ہنکا نے چلا جا رہا ہے اور تیرے تمام کام درست چل رہے ہیں۔ اور جبکہ تو نے دیکھا کہ ہمارا ملک تیرے لئے صاف ہو گیا اور حکومت کا تو مالک ہے تو ذرا ٹھیر۔ ہاں ذرا ٹھیر۔ جہالت کے سبب طیش میں نہ آ۔ کیا تو خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد بھول گیا ہے کہ "منکرین یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انھیں مہلت دیتے ہیں اس میں ان کی بھلائی ہے۔ ہم تو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ یہ گناہوں میں بڑھتے جائیں آخر کار ان کو ذلت کی مار ہے"۔ کیوں یزید اسے عدل و انصاف کہا جا سکتا ہے کہ تو اپنی آزاد عورتوں کو بے پردہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی بیٹیوں کو قیدی بنا کر گھسیٹتا ہے۔ تو نے ان کی پردہ دری کی اور ان کے چہروں کو کھول ڈالا۔ ان کو دشمن ایک شہر سے دوسرے شہر میں لئے پھرتے ہیں۔

اور سپاہی اور عوام ان کو سر اٹھا کر بے باکی سے دیکھتے ہیں۔ قریب بھی اور بعید بھی۔ ذلیل و کمین بھی اور شریف بھی۔ ان کے ساتھ نہ تو مردوں سے کوئی ولی ہے اور نہ کوئی ان کا حامی۔ اے یزید تیرا یہ فعل خدا سے سرکشی ہے۔ خدا کے رسول سے انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدا کا رسول جو احکام لے کر آیا ان سے انکار ہے۔ تیری جانب سے ایسا ہونا کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے۔ بھلا اس شخص سے کیوں کر کوئی امید کی جاسکتی ہے جس کی زبان کے نشتر نے شہداء کے قلب و جگر کو زخمی کیا جس نے انبیاء کے سردار سے جنگ کو قائم کیا جس نے جماعتوں کو جمع کیا۔ نیزوں اور بھالوں کو بلند کیا اور تلواروں کو رسول اللہ کے سامنے جنبش دی ہے۔
عرب میں خدا کی منکر جماعت میں تم لوگ سب سے زیادہ سخت ہو۔ خدا کے رسول کے منکر ہو اور خدا کے رسول سے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کرنے والے ہو۔ اور اپنے کفر کے سبب خدا سے سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے ہو۔ یاد رکھو یہ تمام باتیں نتیجہ ہیں کفر سے محبت کا۔ انتقام و کینہ کی اس آگ کا جو بدر کے مقتولین کے لئے تمہارے سینوں میں بھڑک رہی ہے جو شخص ہم کو بری نظر سے دیکھتا ہے وہ ہم اہل بیت سے اظہار عداوت کرنے میں تاخیر نہیں کرتا۔ کینہ کو نکالنے میں دیر نہیں کرتا۔ اور اپنے خیال کو پورا کرنے میں مہلت نہیں دیتا۔ وہ رسول کے انکار کا اظہار کرتا اپنی زبان سے اس انکار کا واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے اور خوش ہو کر کہتا ہے کہ رسول اللہ کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا اور رسول اللہ کی ذریت کو لونڈی بنا لیا گیا۔ اور اس اظہار کو نہ تو گناہ خیال کرتا ہے اور نہ اس کو کوئی اہمیت دیتا ہے۔
اے یزید تو کہتے ہیں اپنی برچھی کو ابو عبداللہ (یعنی امام حسینؑ) کے ہونٹوں اور دانتوں پر نہ رکھ، یہ رسول اللہ کے بوسے دینے کی جگہ تھی۔ آہ تو اپنی چھڑی سے انھیں لب و دنداں کو چھیڑ رہا ہے اور تیرے چہرہ پر اس سے خوشی کی سرخی دوڑ گئی۔ اپنی جان کی قسم تو نے جنت کے نوجوانوں کے سردار کا خون بہا کر زخموں اور پھوڑوں کو چھیڑ ڈالا ہے۔ ہاں عرب کے آقا کے بیٹے۔ عبدالمطلب کی اولاد کے آفتاب کا خون بہا کر تو نے زخموں کو چور

کب تک ہے؟ چند روز۔ اور تیری جماعت کیا ہے ایک تباہ ہو جانے والی چیز۔ اس روز جس دن کہ پکارنے والا پکارے گا۔ آگاہ رہو ظالم عادی پر خدا لعنت کرتا ہے۔ اور ہر قسم کی تعریف اسی اللہ کو زیبا ہے جس نے اپنے دوستوں کی نیک بختی کا حکم دیا ہے۔ اپنے مخلصوں پر مقاصد کی تکمیل کو ختم کر دیا اور اپنے دوستوں کو رحمت۔ آسائش، رضامندی اور بخشش کے مقام پر لے گیا۔ تیرے سوا کسی نے اُن کو ابتلا و مشقت میں نہیں ڈالا۔ اور ہم خدا سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کو اجر کو کامل کر دے۔ بہترین بدلاان کو عطا فرمائے۔ ان کے لئے آخرت میں ذخیرہ جمع رکھے۔ اور درخواست کرتے ہیں۔ بہترین خلافت اور بہتر نیابت کی۔ بلاشبہ وہ رحیم ہے اور دوست رکھنے والا ہے"

یزید کا دربار شامیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ ہر شخص بے حس و حرکت اس طرح بیٹھا یا کھڑا تھا۔ جس طرح پتھر کی مورتیں۔ ان کی زبانیں اور ان کے ہونٹ چپکے ہوئے تھے۔ ان کے دل دریائے حیرت میں غوطے کھا رہے تھے اور ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب شیرِ خدا کی بیٹی لاکھوں کے مجمع میں شیر کی طرح دھاڑ رہی اور رعیت کے سامنے ان کے بادشاہ کو للکار رہی تھی۔ خود یزید دانت پیس پیس لیتا۔ ہونٹ چباتا اور تاؤ پیچ کھا رہا تھا۔ مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ سیدہ کی بیٹی کی تقریر، روانی کا ایک چشمہ تھا کہ اُبلا چلا آرہا اور فصاحت کا ایک دریا تھا کہ بہے چلا جا رہا تھا۔ اور کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس تقریر سے بی بی زینب نے صداقت اور حق گوئی کا حق ادا کر کے اسلام کی ایک ناقابل فراموش خدمت انجام دی۔ اس تقریر سے شامیوں کو معلوم ہو گیا کہ خلافت حکومت میں تبدیل ہو کر اور شہادت امام حسینؓ سے اسلام کو کیا زبردست دھچکا لگا ہے۔

۴۰۔ دمشق میں قیام

یزید نے جب یہ دیکھا کہ بی بی زینبؓ کی تقریر سے رعیت میں شہداء کربلا اور اہل بیت کے ساتھ ہمدردی اور طرف داری کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے تو اس کے دل پر خوف چھانا شروع ہوا۔ اور وہ مضطرب اور بے چین رہنے لگا۔ اس نے اہل بیت کے ساتھ اخلاق اور نرمی کا سلوک شروع کیا اور حادثۂ کربلا کا عبید اللہ ابن زیاد اور عمر و سعد کو ذمہ دار قرار دیا۔

آخر اس نے بی بی زینبؓ کی خواہش پر حسین علیہ السلام کا سر ان کے سپرد کر کے کہا "تم کو اختیار ہے چاہے یہیں رہو چاہے مکہ یا مدینہ جہاں پسند کرو وہاں تم لوگ چلے جاؤ۔"

بی بی زینبؓ نے فرمایا "یزید! ہم کو حسینؓ سے جدا کر دیا گیا اور ابن زیاد نے ہمیں اتنی مہلت بھی نہ دی کہ ہم اس کی مفارقت پر ماتم کر سکیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مراسم عزا طمانیت سے ادا کریں۔ اپنے بھائی کا سر لے کر مدینہ چلے جائیں۔ اور نانا جان کے مزار مبارک پر حاضر ہوں۔"

بعض مورخین کا بیان ہے کہ یزید نے یہ سن کر حکم دیا کہ شاہی محلات میں سے ایک محل خالی کر دیا جائے اور اہل بیت کو اس میں ٹھیرایا جائے تاکہ وہ اطمینان سے مراسم عزا ادا کریں اور رو دھو کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ چنانچہ ان کو ایک شاہی محل میں پہنچا دیا گیا جہاں انھوں نے ایک ہفتہ تک ماتم اعزاداری کی رسمیں ادا کیں۔ دمشق کی قریشی اور ہاشمی عورتیں مجالس عزا میں شریک ہوئیں اور اہل بیت نبوی کی ہمدردی میں حصہ لیا۔ جب ایک ہفتہ گزر گیا تو یزید نے امام زین العابدینؓ کو دربار میں بلایا۔ جب وہ چلنے لگے تو بی بی زینبؓ نے کہا "کلیجہ کی ٹھنڈک! یزید سے اخلاق اور نرمی سے باتیں کرنا وہ بہت بدمزاج اور ظالم شخص ہے۔" حضرت زین العابدینؓ دربار میں تشریف لائے تو یزید نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ صدر میں جگہ دی اور کہا "علی بن حسینؑ جس چیز کی خواہش ہو کہیے حاضر کی جائے۔" جناب زین العابدینؓ نے جواب دیا "میں کوئی چیز

طلب نہیں کرتا۔ اگر کسی معاملہ کے متعلق گفتگو کرنی چاہو تو میری پھوپی حضرت زینب سے گفتگو کرو۔ کیونکہ ہمارے خاندان میں یتیموں کی غمگسار مددگار صرف وہ ہیں۔" یہ سن کر یزید نے ارکین دربار کو چلے جانے کا حکم دیا اور تمام اہل بیت کو بلایا۔ اور خادموں کو ہدایت کی کہ احترام کے ساتھ انہیں لائیں جب اہل بیت نبوی آ گئے تو یزید نے صدر میں بٹھایا اور بی بی زینبؓ سے کہا "آپ چاہیں تو یہیں شام میں رہیئے اور اگر آپ یہاں کا قیام پسند نہ فرماتی ہوں تو مدینہ تشریف لے جائیں۔ آپ کو اختیار ہے جہاں چاہیں رہیں۔"

بی بی زینبؓ نے ایک آہ بلند کی اور آنکھ میں آنسو آ گئے۔ یزید نے کہا "جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب نالہ و فریاد بے سود ہے۔ خدا کو جو منظور تھا وہ ہوا۔ تم نے پہلے مدینہ جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں مدینہ پہنچانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

اہل بیت شام میں کتنے دن رہے۔ اس میں مورخین کا سخت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ "اہل بیت کو یزید نے سال بھر تک قید رکھا اور حسینؑ کی ناسمجھ بچی سکینہ قید ہی کی حالت میں تڑپ تڑپ کر مر گئی" لیکن بعض مورخین اس واقعہ کو خلاف تاریخ قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ "واقعہ کربلا کے وقت امام حسینؑ کی چھوٹی بیٹی حضرت سکینہ نہ صرف ہوشیار ہو چکی تھیں بلکہ شادی شدہ تھیں، ان کے شوہر ابوبکر عبداللہ بن امام حسنؓ اپنے چچا اور خسر کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے تھے اور ان کا دوسرا نکاح واقعہ کربلا کے چند سال بعد ایک لاکھ درہم مہر پر حضرت زبیر بن عوام کے بیٹے مصعب کے ساتھ حضرت امام زین العابدین نے کر دیا تھا۔ زید کے قتل ہونے کے کچھ عرصہ بعد حضرت سکینہ کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جن سے ایک لڑکا عثمان پیدا ہوا[1]" غرض ان مورخین کے بیان کے مطابق واقعہ کربلا کے بعد کافی مدت تک جناب سکینہ زندہ رہیں۔

اہل بیت کے قیام دمشق کی مدت بعض مورخین چھ ماہ بعض چالیس دن لکھ رہے ہیں چوتھا بیان ہے کہ "صرف اٹھارہ دن دمشق میں قیام رہا۔"

[1] ان واقعات کو مولانا شرر لکھنوی نے تفصیل کے ساتھ "سکینہ بنت حسینؑ" میں لکھا ہے۔

۴۱۔ دمشق سے مدینہ

امام زین العابدین اور لٹی ہوئی سیدانیوں کے قافلہ کی روانگی کا انتظام یزید نے نعمان بن بشیر کے سپرد کیا تھا۔ جو جناب زینب کی تقریر سے اس قدر متاثر ہو چکے تھے کہ اب ان کو اہل بیت کے ساتھ دل سے ہمدردی تھی۔ انھوں نے اونٹوں پر محمل رکھوا کران کو راحت و آرام کے سامان سے آراستہ کیا۔ اور بقول بعض مورخین تیس[۳] اور بعض کے بیان کے مطابق تین سو سوار اپنے ساتھ لئے نماز فجر کے بعد جب یہ قافلہ روانہ ہونے لگا تو بی بی زینب نے فرمایا "محملوں پر سیاہ چادریں ڈالدو تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم فاطمۃ الزہرا کی اولاد کے غم میں ہیں۔"

جب سیاہ چادریں ڈالی جارہی تھیں تو یزید اس وقت وہاں موجود تھا۔ بی بی زینب نے دیکھا کہ ایک قصائی بھیڑوں کو پانی پلا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بے تاب ہو کر رونے لگیں اور یزید سے کہا "دیکھ، قصائی بھی بھیڑوں کو پانی پلانے کے بعد ذبح کرتا ہے۔ تو نے میرے بھائی کو اتنا بھی نہ سمجھا۔" بعض مورخین کا بیان ہے کہ یہ الفاظ امام زین العابدین نے کہے تھے۔

بی بی زینب اور ان کے ساتھیوں کو رخصت کرنے کے لئے دمشق کے مشہور گھرانوں کی بیبیاں کئی ہزار کی تعداد میں آئی تھیں اور جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

نعمان بن بشیر نے تھوڑی دور آگے جا کر زین العابدین سے عرض کیا کہ "جہاں جی چاہے چلئے اور جب جی چاہے ٹھیر جائیے۔ میں آپ کے حکم کو بجان و دل انجام دینا اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔"

حضرت زین العابدین خاموش تھے۔ کہ بی بی زینب نے جواب دیا "سیدھے کربلا چلو"۔ راستہ میں جس منزل پر قیام ہوتا۔ اس سے کافی فاصلہ پر نعمان بن بشیر اور ان کے سوار ٹھیر جاتے اور ضرورت کی چیزیں فراہم کر کے بھیج دیتے۔

جب یہ قافلہ کربلا پہنچا تو بی بی زینب اس قدر روئیں کہ کئی بار بے ہوش ہو ہو گئیں۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق واقعہ کربلا کے تیسرے روز شہدا کی نعشیں دفن کر دی گئی تھیں۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ دمشق سے واپسی میں مدینہ جاتے ہوئے شہدا کی ہڈیاں دفن کی گئیں۔

کربلا ٹھیر کر قافلہ مدینہ کے لئے روانہ ہوا اور نعمان بن بشیر نے کی کوشش کی کہ اہل بیت کو راستہ میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

۴۲ - مدینہ میں

نماز ظہر کا وقت تھا جب بی بی زینب کا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا۔ مسلمانوں نے ان کے قدموں پر آنسوؤں کے موتی نچھاور کئے۔ بی بی زینب کا دل بھر آیا۔ شہداء کربلا کی صورتیں آنکھوں میں پھر رہی تھیں، اور جو شدائد مصائب اور تکالیف کربلا کے سفر میں برداشت کی تھیں ان کے تصوّر نے جسم میں رعشہ پیدا کر دیا۔ اور سیدھی سرور کائنات کے مزار مبارک پر پہنچیں۔ اس وقت دل کی جو حالت ہوئی ہو گی۔ الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے۔ بین فریاد، نالہ شیون زبان سے کچھ نہیں کہا مگر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور دل جو کچھ عرض کر رہا ہو گا اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے۔

"نانا جان! آپ کی نواسی، آپ کے جگر کا گوشہ، آپ کی پیاری بیٹی فاطمہ زہراؓ کے آنکھوں کا نور، اور آپ کے دل کا سرور۔ آپ کی زینب وہ زینب جو آپ کے مبارک کندھوں پر جب آپ سجدے میں ہوتے سوار ہوتی تھی، وہ زینب جسے آپ گود میں لیتے اور پیار کرتے تھے، اپنے پیارے بھائیوں، اپنے عزیز بھتیجوں اور اپنے چاند سے بیٹوں کو دین مستقیم اور اسلام کی بقاء کی خاطر قربان کر کے مزار اقدس پر حاضر ہوئی ہے۔ ہائے کیسی سنگدلی اور بے دردی کے ساتھ سفاکوں نے ان پر تیر برسائے اور تلواریں

چلائی ہیں۔ ان کا قصور بس یہ تھا کہ انھوں نے اسلام کا انہدام منظور اور اس شخص کی بیعت قبول نہ کی جس کی دادی نے اُحد کی لڑائی میں امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا جس کا دادا منافق تھا جس کے باپ نے خلافت کے حصول کے لئے مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا میرے باپ کو طرح طرح سے پریشان کیا اور ان پر تہمتیں رکھیں اور الزامات اُٹھائے تھے۔ نانا جان! آپ کے آگے جبریل جیسے فرشتہ کا سر جھکتا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کی ذرّیت، آپ کے اہلِ بیت اصول اسلام کے خلاف مطالبہ پر سرِ تسلیم خم کر سکتے۔ حسین بھائی اور اُن کے ساتھیوں نے اپنی جانیں دینی منظور کیں مگر یہ منظور نہ کیا کہ ان کی وجہ سے اسلام کو ضعف پہنچے اور آپ کے ناموس پر حرف آئے۔ ہم لوگ گنتی میں بہت تھوڑے تھے اور وہ لوگ زیادہ، بہت زیادہ مگر اس پر بھی انھوں نے جبر و تعدّی، ظلم و ستم کی انتہا کر دی جس دریا سے درند اور پرند سیراب ہو رہے تھے۔ اس پر پہرہ لگا دیا گیا اور تین دن تک آپ کے پیاروں کے حلق میں پانی کی ایک بوند نہ گئی۔ ہم نے فساد کو مٹانے کے لئے راستہ طلب کیا تو انھوں نے راستہ بند کر دیا۔ اور چاروں طرف سے گھیر کر ایسے میدان میں بند کر دیا جہاں نہ کوئی درخت تھا نہ امن و سکون کی جگہ۔ دھوپ کی شدت اور آفتاب کی تمازت نے ان کے جسموں کو جھلس دیا اور پانی میسر نہ آ سکنے کی وجہ سے ان کی زبانیں باہر نکل آئیں لیکن آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے والوں نے ایک قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ اور آپ کے دین کے لئے آپ ہی کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں ۱۰ محرم کو اپنے سر کٹوا کر جانیں دیدیں۔ جس جسم کو آپ کلیجہ سے چمٹاتے تھے سر الگ کرنے کے بعد اس پر گھوڑے کودائے گئے اور جن کانوں پر آپ نے لبہائے مبارک رکھے تھے ان سے گوشوارے گھسیٹ کر لہولہان کیا گیا۔ آپ نے حاتم طائی کی بیٹی کو چادر اڑھائی تھی مگر آپ کی نواسی پھٹے کپڑوں، کھلے چہرے رسیوں سے بندھی ہزاروں آدمیوں کا تماشہ بنی!"

بی بی زینب نانا کے مزار مبارک پر قربان ہو رہی تھیں کہ بے ہوش ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد

ہوش آیا تو ماں کے مزار پر حاضر ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ ان کے سر پر قیامت ٹوٹی تھی۔ ان کے دل کی بستی تباہ و تاراج کی گئی تھی۔ نانا اور ماں کے مزاروں پر حاضر ہو کر منہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا۔ بال نوچنا۔ بین کرنا فطرت انسانی کے خلاف کوئی چیز نہ ہوتی۔ مگر تسلیم و رضا کے مجسمے اور صبر و ضبط کی پتلی کی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا جو اس تعلیم کے خلاف ہوتا جس کی تلقین ان کے نانا کا پاک مذہب کر رہا ہے۔ حسرت اور بے کسی کی نظروں سے ماں کے مزار کو دیکھتی رہیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور زبان خاموش تھی۔ مگر زبانِ خاموش شدتِ الم سے درد و غم کی جگر دوز آپ بیتی کہہ رہی تھی۔ جو یہ ہو سکتی ہے:۔

"اماں! مدینہ سے بھرے ہاتھ گئی تھی اور خالی ہاتھ آئی ہوں۔ نانا جان کی اُمت نے اسلام کے نام پر حسینؑ اور عون و محمد کو مجھ سے چھین لیا! ہر روز طلوع اور غروب ہونے والا آفتاب گواہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کی اولاد زینب کو جان سے زیادہ عزیز رہی۔ اس نے ہر قسم کی تکلیف گوارا کی مگر یہ گوارا نہ کیا کہ بھائیوں پر کسی قسم کی آنچ آئے یا کسی فکر سے پریشان ہوں۔ مگر کیا خبر تھی کہ زینب دیکھتی رہ جائے گی اور اس کی آنکھوں کے سامنے آپ کا پیارا حسینؑ ذبح کر دیا جائے گا! اماں۔ آپ نے ہمیشہ فاقے کر کے اور ہم کو بھوکا سُلا کر سائلوں کے پیٹ بھرے۔ آپ جانوروں تک کی پیاس پر تڑپ تڑپ اٹھیں مگر آپ کے پیارے حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کے حلق میں تین دن تک پانی کا ایک قطرہ نہیں گیا۔ اماں! قصائی بھی بھیڑ بکریوں کو اس طرح حلال نہیں کرتا جس طرح حسین اور اس کے ساتھی قتل کئے گئے۔ اماں! آپ نے ننگوں کو کپڑے پہنائے اور ان کے بدن ڈھانکے مگر زینب اور شہر بانو کھلے منہ ہزاروں مسلمانوں کے سامنے اس طرح لائی گئیں کہ اُن کے کپڑوں میں لیریاں لگی ہوئی تھیں۔ اماں! کسی مسلمان کو زدہ حالت میں دیکھ کر آپ کا کلیجہ کٹ جاتا تھا اور آپ کے پاس جو کچھ ہوتا خود تکلیف اٹھا کر اس کی مدد کے لئے صرف کر دیتیں۔ مگر آپ کے کلیجہ کے ٹکڑوں کو ایسی زدہ حالت میں دیکھ کر کسی مسلمان کے کلیجہ پر گھونسے نہ لگے کوئی نہ تڑپا کوئی نہ بلبلایا اور کسی نے بھی یہ خیال

نہ کیا کہ یہ فاطمہ کی اولاد ہے جس کے گھر میں وحی آتی تھی۔ اور جس کی تعظیم اللہ کا رسولؐ کرتا تھا اماں! آپ کا سرسبز و شاداب لہلہاتا اور ہرا بھرا باغ اجاڑ ہوگیا۔ چند پھول اور ننھی کلیاں زینب ہی کا دل جانتا ہے کہ کس مصیبت سے بچا کر لائی ہے۔ خدا ان کی عمر دراز کرے اور مسلمان شہادتِ حسینؑ سے اسلام کے معنی سمجھیں۔"

ماں کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر بی بی زینب گھر آئیں۔ فاطمہ صغرا کو گلے لگا کر جنھیں بیماری کی وجہ سے امام حسین ام المومنین بی بی سلمہ کے پاس چھوڑ گئے تھے دیر تک روتی رہیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر حضرت علیؓ کی باقی اولاد اور خاندان کے تمام لوگوں سے ملیں اور شرعی طریقہ پر مراسم تعزیت ادا کی گئیں اور خاندان کے ہر فرد نے جو کربلا کے معرکہ میں شریک نہ ہوسکا تھا۔ بی بی زینب کو جو اب خاندان میں سب سے بڑی تھیں اس صدمہ جاں کاہ میں تسکین دی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر کی زبان سے کوئی لفظ ایسا نہ نکلا جس سے بی بی زینب کو ملال ہوتا۔ بچوں کی شہادت سے اُنھیں جو صدمہ ہوا۔ اس پر انھوں نے بھی صبر کیا اور دوسروں کی دل دہی کے لئے یہی کہا کہ "خدا کی امانت تھی اُس نے واپس لے لی۔ خوشی کی بات ہے کہ اپنے ماموں کی خدمت میں اسلام پر جان دی۔"

۴۴۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

کربلا سے پہلے کے حالات سمجھنے، کربلا کے واقعات پڑھنے اور شہادت حسینؑ سے مدینہ کی واپسی تک بی بی زینب اور دوسرے اہلِ بیت پر جو کچھ گزری یہ معلوم ہونے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بی بی زینبؓ نے کوفہ اور دمشق میں جو کچھ فرمایا تھا وہ کس حد تک پورا ہوا۔ اور نخلِ زہراؑ کو تاراج کرنے والے سکھ چین سے رہے یا مضطرب اور بے چین اور ان کا خاتمہ بالخیر ہوا یا عبرتناک؟ اب تک جو کچھ ہو رہا اور جن الفاظ میں اُن کو یاد کیا جا رہا

ہے۔ دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ اور اُس زمانہ میں کیا ہُوا تھا۔ تاریخ کے صفحات پر یہ داستان بھی موجود ہے۔ قاتلانِ حسینؑ کا کیا انجام ہوا۔ مصنف شبارہ کالال اور دوسرے مؤرخین نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم اسے مختصر طور پر لکھتے ہیں۔

واقعۂ کربلا کے بعد یزید کو کبھی اطمینان قلب میسر نہ آیا۔ یہ صحیح کہ دن عید ہوتا اور رات شبرات۔ شادمانی کے جلسے ہوتے عیش و طرب کی محفلیں ہوتیں جشن منتے اور مسرت کے شادیانے بجتے۔ مگر زینب بنت علیؓ کے الفاظ اس کے دل میں چٹکیاں لیتے رہتے۔ وہ شراب کثرت سے پینے لگا تھا۔ مگر سوتے میں اکثر گھبرا کر اٹھ بیٹھتا اور دیر تک ٹہلتا رہتا تھا۔ ۶۴ھ میں جب اس کی عمر ۳۹ سال کی تھی۔ اور اس وقت وہ حمص تھا۔ دردِ قولنج اٹھا اور اس غضب کا کہ تین دن تک تڑپتا رہا۔

ایک بیان یہ بھی ہے کہ یزید ذات الجنب میں گرفتار رہا۔ اُس نے اپنے بیٹے معاویہ کو بلا کر کچھ وصیت کرنی چاہی مگر وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ "اس سلطنت سے خدا مجھے محفوظ رکھے۔ جس کی بنیاد نبیؐ کی اولاد کے خون پر رکھی گئی"۔ درد اس شدت کا ہوا کہ مچھلی کی طرح تڑپتا رہا اور تین دن تک پانی کا قطرہ تک منہ میں نہ جا سکا اور اسی حالت میں سر پٹخ پٹخ کر مر گیا۔

جب حکومت بنو امیہ سے عباسیوں میں پہنچی تو ابو العباس نے شاہان بنی امیہ کی قبریں کھودیں اور ہڈیاں نکال کر جلائی گئیں۔ طبری لکھتا ہے کہ "یزید کی ہڈیاں قبر سے نکالی گئیں۔ تو پہلے ہی سے سیاہ تھیں"۔ بعض مؤرخین یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ "یزید کی قبر پر آج تک پتھر پھینکے جاتے ہیں"۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دو صاحبوں نے جو شام کی سیاحت کر چکے ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف سے بیان کیا کہ "ہم نے راستہ میں اینٹیں پڑی ہوئی دیکھیں تو اٹھا کر سامنے اینٹوں کے ایک ڈھیر پر پھینک دیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یزید کی قبر تھی"۔

۶۶ھ میں جب کوفہ کا حاکم ابن زیاد کی جگہ ایک معمولی شخص مختار ہوا۔ تو اس کا یہ حکم کوفہ کے در و دیوار میں گونجا کہ "رسولؐ کے نواسے کو شہید کرنے والوں میں کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔" یہ اعلان دوپہر کو ہوا اور دوسرے دن علی الصباح عمر وسعد کی فوج کے بہت سے آدمی مختار کے سامنے پیش کئے گئے۔ جو غصے میں کانپ رہا تھا۔ ان لوگوں نے کہا "ہم ابن زیاد اور عمرو کے حکم سے مجبور تھے۔ ورنہ ہماری مجال نہ تھی کہ اولاد رسولؐ پر تلوار اٹھاتے۔"

مختار نے کہا "ہاں تمہاری مجبوری ابن زیاد اور عمر وسعد کے حکم سے تھی۔ مگر کیا کروں، میری مجبوری خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم سے ہے۔" یہ کہہ کر مختار نے جلاد کو حکم دیا جس نے سسکا سسکا کر ایک ایک کو قتل کر دیا۔ بڑے بڑے افسر جنگلوں میں پہاڑوں میں اور دوسرے شہروں میں جا چھپے۔ مگر مختار کے آدمی ان سب کو تلاش کر کے اور پکڑ کر لائے۔ جب عمر وسعد سامنے آیا۔ تو مختار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور اس نے کہا "اے اسلام کے دشمن تو ہی ہے وہ ملعون جس نے خاندان محمدؐ کو کربلا میں تاراج کیا۔ خود ہی بتا تجھے کیا سزا دوں۔" عمر وسعد نے کہا "میں تو یزید اور ابن زیاد کے حکم سے مجبور تھا۔ میں بے قصور ہوں۔" اب مختار نے اس کے لڑکے حفص کو بلا کر جلاد کو حکم دیا کہ "اس کا سر اڑا دے تاکہ اسے معلوم ہو کہ امام حسینؑ کے دل پر کیا گزری تھی جب اس نے علی اکبر کو شہید کیا۔" حفص کا سر تن سے علیحدہ دیکھ کر عمر وسعد رونے لگا اور مختار کے اشارہ سے اسے بھی قتل کر دیا گیا۔

شمر کو دیکھ کر غصہ سے مختار کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ کھڑا ہو گیا اور شمر سے کہا "او جفا کار سبطِ رسول کے ساتھ گستاخی کرنے والا تو ہی تھا" شمر نے کہا "میں بے گناہ ہوں۔ مجھے تو عمر وسعد نے جو حکم دیا۔ وہ میں نے کیا" مختار نے کہا "جس ہاتھ سے خنجر پھیرا تھا وہ اٹھاؤ" شمر نے درخواست کی "میں پیاسا ہوں تھوڑا سا پانی پلوا دو۔"

پھر مختار آبدیدہ ہوگیا۔ اور کہا "کیوں نابکار وہ وقت یاد ہے؟ جب نہر فرات پر تیری فوج نے قبضہ کیا۔ اور تین دن اور تین رات اہل بیت پر پانی بند رکھا۔" یہ کہہ کر اشارہ کیا۔ اور شمر کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد حرملہ بن کاہل کی طرف دیکھا اور حکم دیا کہ معصوم علی اصغر کے حلق چھیدنے والے نابکار کے گلے پر تیر چلاؤ۔"

اب خولی پر نظر ڈالی اور کہا "یہی وہ شیطان ہے جس نے نبی کے پیارے کا سر نیزہ پر چڑھایا۔" یہ کہہ کر اس کے دونوں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ پھر دونوں پاؤں کاٹے گئے۔ اور آخر میں اس کا دھڑ باہر پھینک دیا گیا۔

بعض مؤرخین لکھ رہے ہیں کہ "عمر و سعد اور شمر ذی الجوشن کے سر مختار نے امام حسینؑ کے بھائی محمد بن حنیفہ کو مدینہ بھیج دیئے تھے۔"

عبیداللہ ابن زیاد کے لئے ابراہیم بن مالک اشتر کو فوج دے کر مختار نے روانہ کیا۔ لڑائی ہوئی۔ اور ابراہیم نے عبیداللہ ابن زیاد کا سر تن سے جدا کر کے مختار کے پاس بھیج دیا۔ مصری مؤرخ محی الدین ضیا لکھ رہا ہے کہ مختار کے حکم سے "ابن زیاد کی لاش جلائی گئی۔" ایک بیان یہ بھی ہے۔ "اس کا سر بھی مدینہ بھیجا گیا تھا۔"

باب ساتواں

آخری ایامِ زندگی

۴۴۔ مشاغل

سنہ ۶۰ھ میں جب بی بی زینب امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا گئیں اُس وقت اور سنہ ۶۱ھ میں جب دمشق سے مدینہ واپس آئیں۔ اُس وقت کی حالت میں باعتبارِ صحت نمایاں فرق تھا۔ بڑھاپے کے آثار تو امام حسنؓ کی شہادت ہی سے نمودار ہو چکے تھے، مگر چونکہ قویٰ نہایت مضبوط، ہمت نہایت بلند، اور حوصلہ غیر معمولی تھا اور بچپن سے جفاکش اور محنتی تھیں۔ اس لئے پچپن ۵۵ چھپن ۵۶ سال کی عمر میں بھی کبھی خالی نہ بیٹھتیں اور کچھ نہ کچھ کام کرتی رہتی تھیں، مگر اب ان کے اعصاب کمزور۔ قویٰ مضمحل ہو گئے تھے۔ اور دل پر ایسی سخت چوٹ لگی تھی کہ اکثر خاموش بیٹھی یا ٹہلتی کچھ سوچتی رہتی تھیں۔ عبادت اور ریاضت گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ وقت کا ایک حصہ نماز و وظائف اور تلاوت کلام پاک میں گزرتا۔ بعد نماز ظہر اب بھی کلام اللہ کی تفسیر بیان فرماتیں اور مسلم خواتین کو اسلام

کو سمجھنے اور خدا اور خدا کے رسولؐ کے بتائے ہوئے رستہ پر چلنے کی تلقین فرمائیں۔ گھر کے کاموں میں وہ اب بھی حصّہ لیتی تھیں اگرچہ اب گھر کے کام دیکھ بھال کی حد تک محدود تھے۔ بڑھاپے میں بھی شوہر کے کام اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے انجام دیئے۔ ان کے وقت کا کچھ حصہ محلّہ اور خاندان کے بچّوں اور بچیوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت میں صرف ہوتا تھا۔ علی بن حسینؑ (امام زین العابدین) سے اُن کو غیر معمولی محبت تھی۔ اُن کی تربیت و دلجوئی میں کافی وقت صرف کرتی تھیں۔ امام زین العابدین نے جو خصوصیات حاصل کیں وہ سب پھوپی ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھیں۔

۴۵۔ واقعۂ حرّہ اور "یزید کے وظائف"

جو مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ یزید کے دربار میں قتل حسین کی خبر پہنچی تو یزید کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اس نے کہا ابن زیاد میں تیری اطاعت اور وفاداری سے حسینؑ کے قتل کے بغیر بھی خوش تھا۔ ان میں ایک بیان یہ بھی ہے کہ حادثۂ کربلا کا یزید پر بہت اثر ہوا اس نے اہلِ بیت کو تحائف بھیجے اور اہلِ بیت کے جو وظیفے اس کے باپ امیر معاویہ نے مقرر کئے تھے، ان میں اضافہ کیا۔ یہ خیال حادثہ حرہ کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جو یزید کے عہد حکومت کا دوسرا مشہور واقعہ ہے۔ حادثہ حرّہ میں مدینہ رسول اللہ کی جو بے حرمتی کی گئی تھی وہ اپنی نوعیت میں انتہائی توہین تھی۔ واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ کے حاکم نے اکابر مدینہ کا ایک وفد یزید کے پاس اس غرض سے روانہ کیا کہ یزید داد و دہش اور جود و سخا سے ان کی تالیف قلوب اور اپنی حکومت کو مضبوط کرے۔ تاریخ امم اسلامیہ کے مصنف کا بیان ہے کہ یزید نے وفد کی غیر معمولی خاطر و مدارات کی اور جب واپس آنے لگا تو بیش بہا انعام دیئے اور عبداللہ بن حنظلہ اور منذر بن زبیر وغیرہ کو ایک ایک لاکھ درم دیئے۔ مگر یہ وفد جب مدینہ واپس آیا تو اس نے یزید کے عیوب

بیان کئے اور یہ بھی کہا کہ ہم نے یزید کی بیعت توڑ دی۔ اس گفتگو سے اہل مدینہ کی ایک بڑی جماعت جو واقعۂ کربلا سے بہت متاثر تھی۔ یزید کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب یہ خبر یزید کو پہنچی تو اس نے بارہ ہزار فوج بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجی اور یہ بھی تاکید کر دی کہ علی بن حسین (امام زین العابدین) اور ان کے گھر والوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو وہ باغیوں کے ساتھی نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک بیان یہ بھی ہے کہ اہل بیت اس وقت مدینہ سے باہر چلے گئے تھے۔

"مسلم بن عقبہ یزید کے حکم سے مدینہ میں داخل ہوا اور اہل مدینہ کو سمجھایا کہ امیر المومنین (یزید) کی قوت بہت زبردست ہے۔ تم سرکشی سے باز آؤ۔ ورنہ تہس نہس کر دوں گا۔" اہل مدینہ پر اس کی تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ سخت جنگ اور مدینہ والوں کو سخت شکست ہوئی اور مسلم بن عقبہ کی فوج نے مدینہ منورہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تین دن تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھا۔ اور چوتھے دن اس شرط کے ساتھ بیعت لی گئی کہ "امیر المومنین (یزید) کو اہل مدینہ کی جان و مال اور اولاد پر پورا اختیار ہوگا۔" جنھوں نے بیعت کر لی انھیں چھوڑ دیا گیا جنھوں نے تامل یا انکار کیا ان کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد مسلم بن عقبہ امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یزید کی طرف سے تحائف وغیرہ پیش کئے۔ اہل بیت نبوی کے ساتھ مالی سلوک کیا اور پھر یزید نے وظائف بڑھا دیئے۔

بی بی زینب چونکہ بزرگ خاندان تھیں اس لئے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یزید نے تحائف یا وظائف سے ان کے ساتھ بھی مالی سلوک کیا لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے۔ مختلف مؤرخین کے بیانات سامنے رکھ کر وہ واقعہ کربلا کے بعد زیادہ سے زیادہ دو سال زندہ رہیں۔ اور ۶۲ھ میں شہید ہوئیں۔ مگر واقعہ حرہ ۶۳ھ کا ہے اور ۲۸ ذی الحجہ کو ختم ہوا یعنی ۶۴ھ شروع ہونے سے دو دن قبل، گویا بی بی زینب کی شہادت کے تقریباً سال بھر بعد اگر یہ مان لیا جائے کہ جب واقعہ حرہ ختم ہوا اس وقت بی بی زینب دنیا میں تشریف

رکھتی تھیں تو اول تو اُن کی مالی حالت اس وجہ سے اچھی تھی کہ ان کے شوہر حضرت عبداللہ ابن جعفر ایک متمول تاجر تھے اور بی بی زینب کو کسی قسم کے مالی سلوک کی ضرورت ہی نہ ہوسکتی تھی۔ دوسرے عقل سلیم کس طرح یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ جنھوں نے دنیاوی اعزاز و اکرام پر لات ماردی، جاہ و جلال کو ٹھکرا دیا اور امارت و حشم پر لعنت بھیج کر صداقت کے مقابلے میں اپنی جان اور اپنی جان سے زیادہ عزیز اپنے پیاروں کی جان کی پرواہ نہ کی ان پاک نفوس کو کسی حد تک بھی متوجہ کر سکتی تھی۔ نقری اور طلائی سکوں کی بارش اس شخص کی طرف سے جس کی وجہ سے ان پر دنیا بھر کے ستم ٹوٹے ان کے دلوں کو زخمی اور زخموں کو اتنا گہرا کیا گیا کہ ناسور بن گئے۔ ایسے ناسور جو تادم حیات مُندمل نہ ہو سکے یزید ایک طرف دولت کے ڈھیر اور سونے کے انبار لگا دیتا اور دوسری طرف چاندی کے محل کھڑے کر دیتا جب بھی رسولؐ کی نواسی، سیدہؑ کی بیٹی اور حسینؑ کی بہن کی غیرت، خودداری اور شانِ استغنا سے ناممکن، یقیناً ناممکن اور قطعی ناممکن تھا کہ آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتی۔

۴۶۔ "سفرِ مصر"

بعض مورخین کا بیان ہے کہ "بی بی زینب نے مصر میں وفات پائی اور وہیں اُن کا مزار ہے"۔ مگر یہ مورخین یہ نہیں بتاتے کہ مصر کا سفر کب کیا اور اس کی وجہ کیا تھی؟ قیاس زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن جعفر تاجر تھے اور بسلسلۂ تجارت دُور دراز شہروں اور مختلف ملکوں میں جاتے رہتے تھے۔ تعجب نہیں کہ حادثۂ کربلا کے بعد مدینہ واپس آکر جب بی بی زینب بہت خاموش، اُداس اور غمگین رہنے لگیں تو اُن کی المناک زندگی کے اس دور کو دیکھ کر ان کی صحت کے خیال سے کچھ عرصہ کے لئے اپنے ساتھ مصر لے گئے ہوں۔ مگر یہ قیاس اس وجہ سے درست نہیں کہ افرادِ خاندان کو اب صرف انھیں سے تقویت تھی اور وہی سب کی امیدگاہ تھیں۔ ان سب کو بالخصوص علیؑ بن حسینؑ

(امام زین العابدین) کو چھوڑ کر جنھیں وہ اب ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں۔ مصر محض اپنی صحت کے لئے جانا۔ قیاس صحیح نہیں۔

امام زین العابدین کا سفر مصر بھی کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے مصر میں جن زینب کا مزار ہے۔ وہ سیدۃ النساء کی بیٹی نہیں کوئی اور زینب ہوں گی۔

مصر میں ایک مسجد "مسجد زینبیہ" کے نام سے مشہور ہے یہ ممکن ہے مورخین کو اس سے بی بی زینب کے سفر مصر کا مغالطہ ہوا ہو۔ اس مسجد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ مصر کے کسی بادشاہ کی بہن زینب نے تعمیر کرائی تھی۔

۴۷۔ وفات

جس طرح بی بی زینب کے نکاح کی صحیح تاریخ کا انتہائی تلاش کے باوجود پتہ نہ چل سکا اسی طرح تاریخ کی درجنوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ان کی وفات کا واقعہ اور صحیح تاریخ کیا ہے۔ پہلا بیان ہے کہ مصر میں بیمار ہوئیں اور وہیں انتقال کیا مگر ان کا سفر مصر جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ اہل بیت کے مدینہ پہنچنے کے چھ ماہ بعد حضرت ام کلثوم نے رحلت کی اور ان کے دو ماہ بیس دن بعد حضرت کبریٰ نے وفات پائی اور وہیں ان کا مدفن ہے مگر مصنف شمس التواریخ اور مصنف تاریخ اسلام (سید ذاکر حسین جعفر) لکھ رہے ہیں کہ "حضرت ام کلثوم کا آخری نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا تھا" شرع اسلام کی رو سے کسی شخص کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں ایک وقت میں نہیں رہ سکتیں۔ اگر ام کلثوم کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا ہوگا تو حضرت زینب کے انتقال کے بعد۔ اور یہ واقعہ مندرجہ بالا بیان کے بالکل متضاد ہے جو ظاہر کر رہا ہے کہ پہلے ام کلثوم کا پھر بی بی زینب کا انتقال ہوا۔ مورخین کے اس اختلاف کو نظر انداز کر کے ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کے جن قبرستانوں میں حضرت زینب کے عزیز ابدی نیند سو رہے ہیں ان کی فہرستوں میں زینب بنت فاطمہ کا نام نہیں ہے۔

"تیسرا بیان جو عام طور پر مشہور ہے۔ اور مجالس میں بیان کیا جاتا ہے۔ مگر کسی مستند تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ ہمارے الفاظ میں یہ ہے:۔

۶۲ھ کے آخر میں جب بی بی زینب اور دوسرے اہل بیت کو مدینہ آئے ڈیڑھ سال کے قریب ہو چکا تھا بعض فتنہ پرداز مسلمانوں نے یزید کے کان بھرنے شروع کئے کہ زین العابدین کو بنو ہاشم خلافت کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اور یہ خیال روز بروز مدینہ میں زور پکڑ رہا ہے۔ مناسب ہے کہ اس تحریک کو فوراً ختم کر دیا جائے۔ یزید نے جب یہ سنا تو اس نے حکم جاری کیا کہ علی بن حسین کو دمشق لایا جائے۔ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو مسلمانوں کو سخت تشویش ہوئی۔ اور فاطمہ صغرا نے جب یہ سنا کہ میرے بھائی کو یزید نے بلایا ہے تو وہ بھائی سے چمٹ گئیں اور رو کر کہنے لگیں کہ جس طرح یزید نے میرے باپ کو اور بھائیوں کو قتل کیا تھا اسی طرح اب عابد بھیا کو قتل کر دے گا۔ بی بی زینب بیمار تھیں انھوں نے بھتیجی کو تسکین دی اور کہا "جب تک زینب کے جسم میں سانس موجود ہے ٹیڑھی آنکھ سے بھی حسین بھائی کی اولاد کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ میں خود اپنے بچے کے ساتھ جاؤں گی۔" بنو ہاشم اور مدینہ کے دوسرے افراد نے بہت سمجھایا کہ اب آپ کی صحت اس سفر کے قابل نہیں۔ جو خطرات سے پر ہے مگر وہ نہ مانیں اور یہ جواب دیا "بڑھیا پھوپی زندہ رہے اور جوان عابد، حسینؑ بھائی کی نشانی دشمنوں میں اکیلا چلا جائے یہ ناممکن ہے۔"

چنانچہ جب یزید کے افسر دمشق کی طرف امام زین العابدین کو لے کر چلے تو ان کے ساتھ بی بی زینب بھی اونٹ پر سوار تھیں اور ان کی کنیز فضہ ان کے ساتھ تھی۔

جب دمشق چار میل کے فاصلہ پر رہ گیا تو شام ہو چکی تھی۔ یہ مختصر قافلہ رات بسر کرنے کے لئے وہیں ٹھیر گیا۔ علی الصباح بی بی زینب نے امام زین العابدین سے کہا "رات کو میں نے حسینؑ بھائی کو خواب میں دیکھا کہہ رہے ہیں: زینب اب جلد ہمارے پاس آجاؤ تمہاری جدائی کی گھڑیاں بہت کٹھن ہیں۔ پھوپی کی جان اب میرا وقت آگیا۔ تیرا وارث تیرا مددگار وہی

خدائے واحد ہے جو تجھے مدینہ زندہ سلامت لایا تھا۔ وہی اب بھی تیری جان کی حفاظت کرنے والا ہے۔"

بھتیجے سے یہ کہنے کے بعد فضہ سے فرمایا۔" جب ہمیں کربلا سے دشمن لے جا یا گیا تھا اور میرے بھائی کا سر نیزہ پر تھا یہیں کہیں ایک درخت کے نیچے رکھا گیا تھا۔ ذرا اس درخت کو تو تلاش کرو۔" فضہ درخت کی تلاش میں گئی تو امام زین العابدین کو صدمات پر صبر و ضبط کرنے کی ہدایت فرمائی۔ فضہ نے واپس آ کر عرض کیا کہ درخت مل گیا۔ اُٹھیں اور اس کے ساتھ چلیں۔ نقاہت بہت زیادہ تھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی اس درخت تک پہنچیں اور وہاں لیٹ کر آنسوؤں سے روتی رہیں۔ زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ پھر کچھ دیر عبادت کی۔ دعا مانگ رہی تھیں کہ ہچکی بندھ گئی۔ قریب ہی ایک خارجی کا باغ تھا وہ آواز سُن کر باہر آیا۔ اور جب معلوم ہوا کہ یہ بی بی امام حسینؑ کی بہن زینب ہیں تو وہ واپس گیا اور بیلچہ لے کر آیا۔ اور جس کی رسالت پر یقین تھا اسی کی نواسی کو خدائے واحد کی عظمت پر سربسجود دیکھا جس کی توحید کا خود بھی معترف تھا۔ ایک عورت پر ایک مرد کو حملہ کرتے۔ ایک بڑھیا کے قتل کے لئے ایک جوان کو آگے بڑھتے اور ایک کمزور پر ایک طاقتور کو پشت کی طرف سے ہاتھ اُٹھاتے ذرا بھی شرم نہ آئی۔ بیلچہ اس زور سے دوش مبارک پر مارا کہ حسینؑ کی عاشق زار بہن اور عابد کی جان نثار پھوپی وہیں شہید ہوگئیں۔

لیکن اس تیسرے بیان میں بحث کی کافی گنجائش ہے اور اس روایت کی تاریخی شہادت بھی نہیں ملتی۔

تاریخ اسلام جلد سوم میں سید ذاکر حسین جعفر لکھتے ہیں۔ اور بعض مؤرخین کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بی بی زینب کی شہادت نہیں ہوئی بلکہ "وفات" ہوئی تھی لیکن اس سلسلہ میں مرض الموت معلوم نہ ہو سکا۔

۴۸۔ مزار

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ جنت البقیع (مدینہ) میں ہے اور بعض لکھ رہے ہیں کہ دمشق کے پاس۔ سید قاسم علی شاہ اپنے سفرنامہ خضر نصیب میں لکھتے ہیں کہ " روضۂ زینب دمشق سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ دو میل سڑک پختہ ہے اور دو میل کچی۔ روضہ چھوٹے سے خوبصورت باغ میں ہے۔ روضہ کا صحن فراخ ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ اندر صحن میں ایک چھوٹا سا مربع حوض ہے صحن کے شمالی کنارے پر زائرین کے رہنے کے حجرے ہیں۔ جنوب کی طرف روضہ کی عمارت ہے۔ برآمدہ سفید پتھر کا ہے۔ اندر روضہ کا کمرہ چھوٹا سا مگر عالی شان ہے دروازہ نقرئی ہے۔ کمرہ کا جنوبی حصہ سیاہ رنگ کے پردہ سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ جو زنانہ مسجد کے طور پر استعمال ہوتی ہے" لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ روضہ کس نے بنوایا۔ یہ مقام زینبیہ کہلاتا ہے۔

۴۹۔ اولاد

بعض مؤرخین نے ابن جوزی کی تحقیق کو مستند قرار دے کر بیان کیا ہے کہ حضرت زینب کے چار لڑکے تھے۔ علی (جن کا نام بعض مورخین عبداللہ لکھ رہے ہیں) عون۔ محمد اور عباس۔ ان میں عون اور محمد کربلا کے میدان میں شہید ہوئے۔ عباس لاولد رہے اور سلسلۂ نسل علی بن عبداللہ بن جعفر سے چلا۔ بعض مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت زینب کی کوئی لڑکی نہ تھی۔ لیکن ابن جوزی اور بعض دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ ام کلثوم ایک صاحبزادی بھی تھیں۔ جن کے لئے امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کا پیام نکاح عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجا تھا۔ نہ صرف ان کے حسن صورت اور اعلیٰ سیرت کی وجہ سے بلکہ اس خیال سے بھی کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات اس رشتہ سے خوشگوار ہو جائیں لیکن حضرت امام حسینؑ نے اس پیام کو پسند نہ کیا اور اُم کلثوم کا نکاح محمد بن جعفر کے بیٹے قاسم سے کر دیا۔

بی بی زینب کے کون کون سے بچے کس کس سن میں پیدا ہوئے۔ باوجود انتہائی تلاش اور کوشش اور تاریخ کی ورق گردانی کے یہ پتہ نہ چل سکا۔ بی بی زینب کی شادی اگر ۱۷ھ میں ہوئی تھی۔ تو ۶۱ھ میں جب ان کی عمر ۶۵ سال تھی ان کے بچے عون و محمد کربلا کے میدان میں شہید ہوئے تھے۔ ان بچوں کی عمریں بعض مورخین ۱۱۔ اور ۱۲۔ بعض ۹۔ اور ۱۰ اور بعض ۶۔ اور ۸ سال بیان کر رہے ہیں۔ لیکن ۵۰ سال کے لگ بھگ عورت کی وہ عمر ہے جب بچوں کی پیدائش بالعموم بند ہو جاتی ہے۔ پھر اگر ان بچوں کی پیدائش ۵۳ھ اور ۵۵ھ تسلیم کر لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ۱۷ھ سے ۵۳ھ تک ۳۶ سال میں صرف تین بچے ہوئے۔ اور اُدھر جب بی بی زینب کی عمر ۴۸ یا ۵۰ سال تھی اوپر تلے دو بچے ڈیڑھ دو سال کے فرق سے پیدا ہوئے لیکن ننھے ننھے بچے ماموں کی کیا مدد کر سکتے تھے۔ جو ان کے باپ عبداللہ بن جعفر نے تنعیم کے مقام پر انھیں بھیجا۔ اگر بی بی زینب ان بچوں کو مدینہ سے مکہ اپنے ساتھ لے جاتیں تو بھی عون و محمد کی عمریں ۶۔ اور ۸ سال تسلیم کی جا سکتی تھیں۔ اس وجہ سے کہ چھوٹے بچے ماں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عون و محمد جو میدان کربلا میں شہید ہوئے ناسمجھ نہ تھے ہوشیار ہو گئے تھے۔ اور پھر اگر ام کلثوم کے نکاح کی روایت صحیح مان لی جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عبداللہ بن جعفر کے پاس ام کلثوم کے لئے یزید کا پیام نکاح جب بھیجا گیا۔ اور پیام بر کو حضرت عبداللہ نے امام حسینؑ کے پاس بھیج دیا اور امام حسینؑ نے ام کلثوم کی شادی قاسم بن محمد سے کر دی۔ تو انھوں نے یہ اس وقت کی ہو گی۔ جب وہ اپنے خاندان کے بزرگ ہوں گے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ اور امام حسنؓ شہید ہو چکے ہوں گے۔ اور یہ واقعہ ۴۹ھ ہجری سے قبل کا نہیں ہو سکتا۔ اگر اس وقت ام کلثوم کی عمر ۱۴ سال بھی فرض کر لی جائے تو ان کی پیدائش کا سال ۳۵ھ ہوتا ہے۔ اور اس حساب سے ۱۷ھ سے ۳۵ھ تک ۱۸ سال میں بی بی زینب کے صرف دو بچے علی اور

عباس پیدا ہوئے۔ اور اُدھر ۱۸ برس بعد عون و محمد پیدا ہوئے۔ یہ حساب کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تین بچے علی۔ عباس اور ام کلثوم حضرت علی مرتضیٰ کے سامنے ہوئے۔ اور عون و محمد نانا کی شہادت کے بعد۔

عباس اور علی میں کون بڑا تھا۔ اور کون چھوٹا اور کس کا سال پیدائش کیا ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مگر یہ تحقیق ہونے کے بعد کہ عباس لاولد رہے۔ اور سلسلۂ نسل علی بن عبداللہ بن جعفر سے چلا۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ جب بی بی زینب مدینہ سے مکہ۔ اور مکہ سے کربلا گئیں تو علی جوان تھے۔ اور اگر ان کا سال پیدائش ۲۰ھ ہے یا اس کے سال دو سال بعد تو ان کی عمر اس وقت چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ ان کی شادی ہو چکی ہو گی اور اس وقت تک بی بی زینب دادی بن چکی ہوں گی۔

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ۶۰ھ میں اگر عون و محمد کی عمریں تیرہ چودہ سال یا پندرہ سولہ سال کی مان لی جائیں تو ان کے باپ نے ان کے ماموں کی مدد کے لئے انھیں کیوں بھیجا۔ علی کو کیوں نہیں بھیجا۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے۔ کہ عون و محمد دنیاوی افکار سے آزاد تھے۔ اور علی دنیا کے بکھیڑوں میں پڑ چکے تھے۔ بچوں والے تھے۔ ممکن ہے ان کے حالات نے انھیں سفر کی اجازت نہ دی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس وقت مدینہ سے باہر ہوں۔

لیکن بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت زینب کے صرف دو بچے عون و محمد ہی تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ اس لئے یہ فریق بی بی زینب کے بیٹے علی (یا عبداللہ) کا جو سلسلۂ نسب پیش کیا جاتا ہے تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ ایک جماعت کی تو یہ رائے ہے کہ بی بی زینب کی اولاد ہی نہیں ہوئی۔ لیکن یہ بیان قطعی غلط ہے۔ اس لئے کہ عون و محمد کی شہادت کو تمام مستند مؤرخین تسلیم کرتے ہیں۔

۵۰۔ حضرت زینب کبریٰ کی نسل کا سلسلہ[۵۱]

فاطمہ زہرا رضؓ

- امام حسن رضؓ
- امام حسین رضؓ
- زینب کبریٰ رضؓ
  - عباس رضؓ
  - عون رضؓ
  - محمد
  - علی (عبداللہ)
  - یہ دونوں کربلا میں شہید ہوئے
- اُم کلثوم

علی (عبداللہ) کی اولاد:

- علی رضؓ ← محمد مثلث ← عون مثنیٰ ← طاہر ← قاسم ← سالم ← امین ← شفیع
- ناصح ← صالح ← جعفر ← ہادی ← مہدی ← غالب ← طالب ← مصطفےٰ
  - {ان کا سلسلۂ نسل حجاز وغیرہ میں جاری ہے}
- مرتضیٰ ← حسن ← حسین ← آل محمد ← آل علی ← نور احمد
  - ان سے قضاۃ غزنی کا سلسلہ چلا اور انھیں کی نسل کے آدمی ہندوستان میں قضا کے منصب پر مامور ہو کر آئے۔
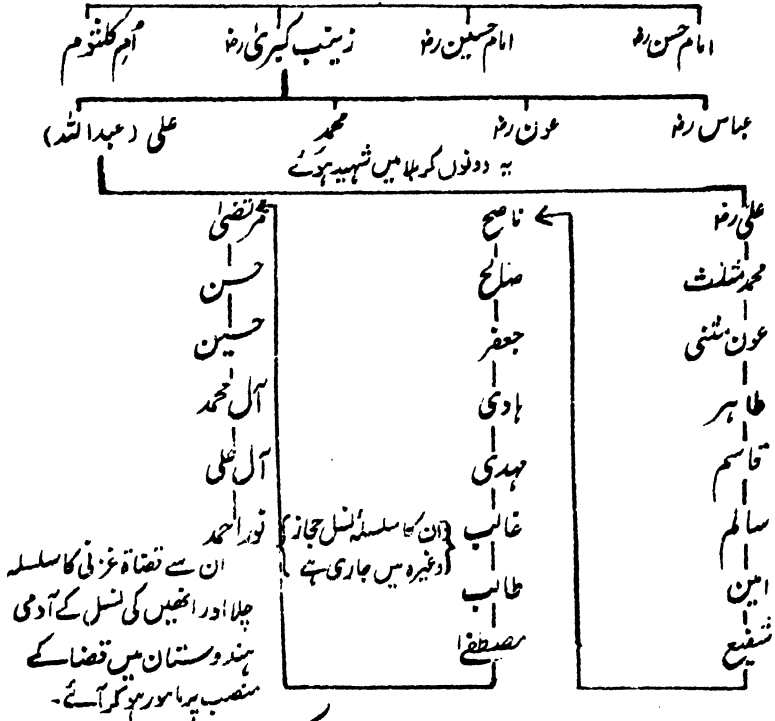
۵۱۔ بی بی زینب کے سفر

(۱) **مدینہ**۔ بی بی زینب مدینہ میں پیدا ہوئیں اور اُن کی عمر کا بڑا حصہ یہیں بسر ہوا۔ اور اکثر و بیشتر سفر کر کے مدینہ ہی واپس آ ئیں۔

(۲) **مکہ**۔ مکہ کا سفر کئی دفعہ کیا۔ امام حسینؑ نے جتنے حج کئے ان میں سے اکثر و بیشتر میں بی بی زینب ساتھ تھیں۔ مکہ کا سب سے آخری سفر سنہ ۶۰ھ میں کیا جب وہاں سے کربلا کے لئے تشریف لے گئیں۔

---

[۵۱] مسلمانوں کا ایک فریق اس سلسلۂ نسل کو نہیں مانتا۔

(۳) **بصرہ** ۔ ۳۶ھ میں جنگ جمل کے موقع پر جب حضرت علی بصرہ تشریف لے گئے تو تمام اہل بیت ساتھ تھے ۔ اور بی بی زینب بھی ہمراہ تھیں ۔

(۴) **کوفہ** ۔ جب حضرت علی رض نے مدینہ کی بجائے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تو بی بی زینب بھی اپنے باپ کے ساتھ کوفہ چلی گئیں ۔ سب سے آخری سفر کوفہ ۶۱ھ میں کیا جب واقعۂ کربلا کے بعد خانماں برباد قافلہ کے ساتھ بھیجی گئیں ۔ اور ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا ۔

(۵) **کربلا** ۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ۶۰ھ میں کربلا پہنچیں اور اپنی آنکھوں سے بھائی اور بچوں کی شہادت دیکھی ۔

(۶) **دمشق** ۔ ۶۱ھ میں یزید کے دربار میں پیش کی گئیں ۔

(۷) **زینبیہ** ۔ ملک شام کا پہلا سفر ۶۱ھ میں خانماں برباد قافلہ کے ساتھ کیا تھا ۔ دوسرا سفر امام زین العابدین کے ساتھ ۶۲ھ میں کیا اور دمشق سے چار میل ادھر ایک باغ میں شہید ہوئیں ۔ جہاں ان کا مزار ہے ۔ اور یہ جگہ زینبیہ کے نام سے مشہور ہے ۔

۶۰-۶۱ھ کا سفر بسلسلہ واقعۂ کربلا (۱) مکہ سے مدینہ (۲) مکہ سے کربلا (۳) کربلا سے کوفہ (۴) کوفہ سے دمشق (۵) دمشق سے مدینہ ۔

بی بی زینب کے سفر

نقشہ میں ان مقامات کو دکھایا گیا ہے۔ جہاں کے بی بی زینب نے سفر کئے۔
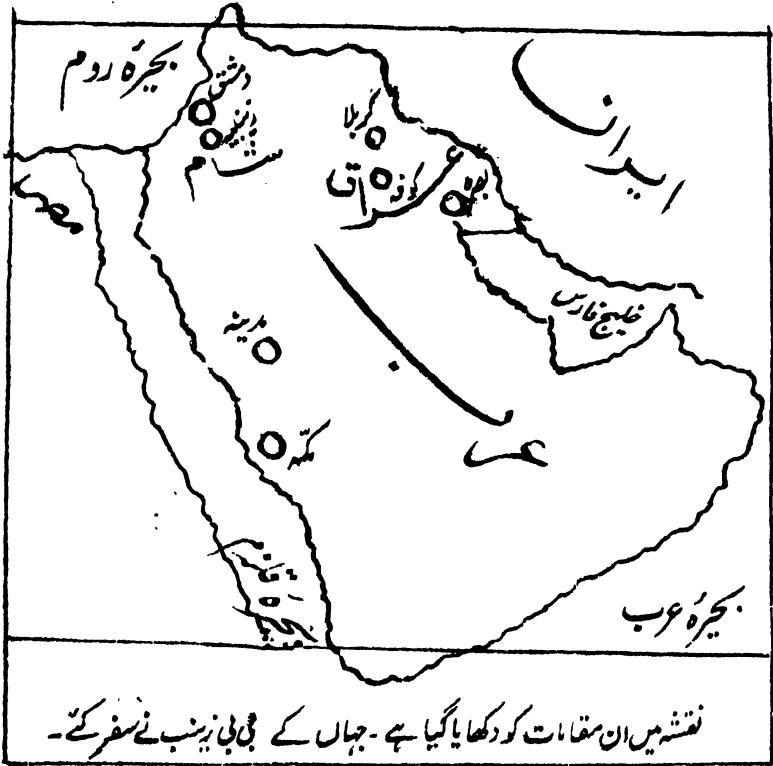
۵۲ ۔ بی بی زینب کی زندگی کے مشہور سال

سنہ ۵ھ پیدائش

سنہ ۱۱ھ رسول اکرمؐ کی رحلت۔ سیدالنساءؓ کی وفات ۔ ابوبکر صدیقؓ کی خلافت۔

سنہ ۱۳ھ ابوبکر صدیقؓ کا انتقال اور حضرت عمرؓ کی خلافت ۔

سنہ ۱۷ھ یا سنہ ۱۹ھ شادی۔

سنہ ۲۰ھ بڑے بیٹے کی پیدائش (یہ سن قیاسی ہے)

۲۳ھ	حضرت عمر فاروق رض کی شہادت اور حضرت عثمان رض کی خلافت
۳۰ھ	درس و وعظ کا سلسلہ
۳۵ھ	حضرت عثمان رض کی شہادت اور حضرت علی رض کی خلافت
۳۶ھ	سفر بصرہ ۔ جنگ جمل۔ کوفہ میں قیام
۳۷ھ	جنگ صفین اور کوفہ میں مجالس درس و وعظ کا سلسلہ
۳۸ھ	خارجیوں سے حضرت علی رض کی جنگ
۴۰ھ	حضرت علی رض کی شہادت
۴۹ھ	امام حسن رض کی شہادت
۵۶ھ	بیعت یزید کے لئے امیر معاویہ کی کوشش اور بی بی زینب کی مخالفت
۶۰ھ	امیر معاویہ کا انتقال۔ یزید کی حکومت اور مطالبۂ بیعت مدینہ پھر مکہ سے امام حسین ؑ کے ساتھ روانگی ۔
۶۱ھ	حادثۂ کربلا۔ کوفہ۔ دمشق۔ اور مدینہ کے سفر
۶۲ھ	شام کا دوسرا سفر اور شہادت (عام روایت کے مطابق)

۵۴۔ بہ حیثیت انسان

سادگی۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شخص کی سرشت میں قدرت کی طرف سے بعض خوبیاں یا برائیاں ودیعت ہوتی ہیں یعنی ہر شخص چند خوبیاں یا برائیاں قدرت کی طرف سے لے کر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی عادات وخصائل پر خون کا تربیت کا، ماحول اور فضا کا بھی زبردست اثر پڑتا ہے۔ بی بی زینب کی طبیعت میں قسام ازل نے سادگی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ سونے پر سہاگہ ان کی تربیت اور ماحول تھا انھوں نے دودھ پیا اس ماں کا جو ساری عمر زیبائش اور تکلف کی زندگی سے ہزاروں کوس دور رہیں۔ انھوں نے آنکھ کھول کر دیکھا ان مردوں کو۔ پلیں اور بڑھیں ان جو ذوات کی گود میں۔ اور کھیلیں ان بچوں کے ساتھ جن کا رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور

پہننا اوڑھنا سادگی کا بہترین نمونہ تھا۔ تکلف کی زندگی کے لئے روپیہ کی بھی ضرورت ہے مگر بنتِ رسولؐ کے گھر میں ہمیشہ اللہ کا نام رہا۔ کئی کئی وقت گزرنے کے بعد جب کھانا میسر ہوا تو اکثر ایسا ہوا ہے کہ سیدۃ النسا کھانے بیٹھیں، دروازہ پر سائل آیا اور فاقہ زدہ سیدہ نے وہ بھی اللہ کے نام دے دیا۔ جس کے باپ کے ادنیٰ اشارہ پر سونے چاندی کے ڈھیر لگ سکتے تھے اس کی چہیتی بیٹی فاطمۃ الزہراؑ ساری زندگی موٹے جھوٹے پیوند لگے کپڑے پہن کر گزری۔ ایسی ماں کی گود میں جس بچی نے پرورش پائی ہو جوان ہوکر اس کے مزاج میں کس حد تک سادگی ہوگی۔ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ شادی کا ابتدائی زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے تھوڑی بہت آرائش زیبائش اور تکلفات سب ہی کرتے ہیں۔ مگر بی بی زینب سادہ زندگی بسر کرنے والے گھر سے رخصت ہوکر ایسے گھر میں داخل ہوئیں۔ جو انھیں کی طرح سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا اس لئے ان کی سادگی اور زندگی کے سادہ مشاغل میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ سادہ لباس پہنتیں، سادہ غذا کھاتیں اور اپنے گھر کو سادگی مگر صفائی ستھرائی کا بہترین نمونہ بنائے رکھتیں۔ جناب زینب کو اپنے نانا، باپ اور ماں سے سادگی کی تعلیم ملی تھی اسی کا سبق عملی زندگی سے وہ دوسروں کو بھی دیتی رہیں۔

خُلق۔ بی بی زینب پر سایہ عاطفت پڑا رسالتمآب کا جن کے خلق کے متعلق اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا تھا کہ "حضور کا خُلق قرآن تھا" تربیت ملی سیدۃ النسا جیسی ماں سے جنھوں نے شمعون یہودی جیسے حضرت علی رضؓ کے جانی دشمن کی بیوی کے مُردہ جسم کو اپنے ہاتھ سے نہلا دھلا کر میّت تیار کی اور سن رشد کو پہنچیں حضرت علیؓ جیسے باپ کی نگرانی میں جن کے خلق کا دشمنوں نے اعتراف کیا۔ اس لئے بی بی زینب کا خُلق تعجب انگیز نہیں۔ ان کی شیریں زبانی، خوش کلامی اور حسنِ سلوک نے اپنے تو اپنے غیروں تک کو ان کا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ان کی ایک پڑوسن کا بیان ہے کہ زینب

مجھ سے عمر میں بڑی تھیں مگر سلام میں انھوں نے ہمیشہ سبقت کی، عبداللہ بن جعفر اور اُن کے درمیان کبھی سخت گفتگو کا نہ ہونا جس پر تمام مؤرخین متفق ہیں۔ بتا رہا ہے کہ ان کا خلق کیسا ہوگا۔ جب کوئی اُن سے ملنے آتا تو عاجزی و فروتنی اور خندہ پیشانی سے ملتیں۔ بہتر جگہ بٹھاتیں اور مناسب طریقہ پر خدمت کرتیں۔

حیا۔ مرد ہو یا عورت حیا ایمان کا جزو ہے جس طرح حضرت عثمان رضہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی پنڈلی کسی نے نہیں دیکھی۔ اسی طرح بی بی زینب کے متعلق مشہور ہے کہ غیر تو غیر عزیز رشتہ داروں، یہاں تک کہ ماں باپ اور بھائیوں سے بھی آنکھ ملاکر بات نہیں کی۔ عاجزی کے ساتھ آہستہ آہستہ کم سے کم الفاظ میں گفتگو کرتیں۔ قیام کوفہ کے زمانہ میں ایک روز بی بی زینب مجلس درس و وعظ میں کھیٰعص کی تفسیر بیان کر رہی تھیں کہ حضرت علی تشریف لے آئے اور فرمایا "بیٹی میں بہت خوش ہوا تم کھیٰعص کی تفسیر بیان کر رہی تھیں۔" نیچی نظر سے انھوں نے جواب دیا۔ "جی ہاں آبا جان! میں آپ پر قربان۔"

زہد و اتقا۔ بی بی زینب کا زہد و اتقا اس درجہ کا تھا کہ بہت کم عورتوں کو نصیب ہوا ہوگا۔ دُنیا کی زینتوں۔ دُنیا کی لذتوں۔ دُنیا کے ساز و سامان سے اُنھیں دلچسپی نہ تھی۔ دُنیاوی خوش حالی۔ دنیاوی عشرت اور دُنیاوی راحت پر وہ ہمیشہ ابدی راحت کو ترجیح دیتی تھیں۔ بی بی زینب کا ایک لقب اس زہد کی وجہ سے "زاہدہ" بھی ہے۔ اُن کا قول تھا کہ دُنیا کی زندگی بالکل ایسی ہے جیسی کوئی مسافر چند لمحوں کے لئے تکان دور کرنے کے واسطے آسائش کی جگہ ٹھہر جائے۔

بی بی زینب کا تقویٰ اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ کسی مشتبہ چیز کو احتیاط کی بنا پر استعمال نہیں کیا۔ خدا کی رضا مندی کے حصول میں کوشاں رہیں اور خدا کے بندوں کی دل آزاری کی کبھی روا دار نہ ہوئیں۔

محنت اور جفاکشی۔ بی بی زینب کی زندگی کا ابتدائی زمانہ جناب سیدہ کے زیر سایہ گزرا۔ جن کے ہاں کوئی لونڈی غلام نہ تھا۔ گھر کے تمام کام جناب سیدہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتیں اور بی بی زینب اپنی عمر کے اعتبار سے ان کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ ماں کے بعد اور شادی کے قبل۔ باپ کی مالی حالت بہتر ہوگئی تھی مگر اس زمانہ میں باپ اور بھائیوں کے سب کام بی بی زینب خود کرتی تھیں اور امور خانہ داری کا سارا بار ان کی تنہا ذات پر تھا۔ شادی کے بعد وہ زمانہ آیا کہ گھر میں بچے بھی تھے۔ لونڈی غلام بھی۔ اپنے محلہ کی لڑکیاں بھی ان کی خدمت میں حاضر رہتی تھیں۔ لیکن اس زمانہ میں بھی نہ صرف اپنے بلکہ خانہ داری کے سب کام وہ اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ اُنھیں یہ تک گوارا نہ تھا کہ کسی دوسرے شخص کو پانی پلانے کے لئے تکلیف دیں ان کی سادہ زندگی محنت اور جفاکشی ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کی صحت ہمیشہ اچھی رہی۔

عبادت۔ بی بی زینب کی زندگی کا اکثر وقت عبادت میں گزرتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ساری ساری رات خدائے واحد کے دربار میں گزر گئی۔ بی بی زینب کی عبادت کس درجہ کی تھی، اس کا اندازہ حضرت زین العابدین کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ جو انھوں نے ایک موقع پر کہے "پھوپی جان! عبادت شب میں مجھ کو نہ بھولنا" کثرت عبادت ہی کی وجہ سے ان کا ایک لقب "عابدہ" بھی ہے۔

علم و فضل۔ جس کا باپ "شہر علم کا دروازہ" تھا جس کی ماں مسجد نبوی میں وعظ کہتی تھی۔ اور جس کی علمی قابلیت کا سکہ تمام عرب میں بیٹھا ہوا تھا جس کے فیض صحبت سے اسماء بنت عمیس ایک معمولی بڑھیا نے امیرالمومنین عمر فاروق کو بڑے مہر باندھنے کی ممانعت پر ایک وعظ میں ٹوک دیا تھا۔ اس باپ اور اس ماں کی بیٹی کے علم و فضل میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ مدینہ اور کوفہ میں خواتین کا بی بی زینب کی زبانی قرآن مجید کے رموز و نکات سُن کر زار و قطار رونا۔ علم و فضل میں ان کا درجہ بہت بلند ہونا

کر رہا ہے۔ اور حضرت فضہ کا جن کی زندگی کا بیشتر وقت بی بی زینب کے فیضِ صحبت میں گزرا۔ اور محشرستان کربلا میں بھی بی بی زینب کے ساتھ تھیں۔ ابوالقاسم قشیری اعرابی سے تمام گفتگو قرآن مجید کی آیتوں سے کرنا بتا رہا ہے کہ بی بی زینب کو قرآن مجید پر کس قدر عبور تھا۔ کوفہ اور دمشق کی تقریروں سے بھی ان کے علم و فضل کا باسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان تقریروں سے اور یزید اور ابن زیاد سے بی بی زینب نے جو گفتگو کی تھی۔ اس سے متاثر ہو کر امام زین العابدین نے اپنی پھوپی کو "عالمہ غیر معلّمہ" کا لقب دیا تھا۔ بی بی زینب کو نہ صرف مذہب پر پورا عبور حاصل تھا بلکہ علم و ادب میں بھی ان کا شہرہ بلند تھا۔ چنانچہ ایک مورّخ کہہ رہا ہے کہ زینب بنت حسینؑ نہ صرف اپنے زمانہ کی بہترین سخن فہم تسلیم کی جاتی تھیں۔ بلکہ انھوں نے اشعار بھی کہے ہیں لیکن یہ مورخ ان کی سخن فہمی کا کوئی واقعہ نہیں لکھتا نہ ان کا کوئی شعر نقل کرتا ہے۔ بی بی زینب کی کنیت اُمِ کلثوم بتانے کے سلسلہ میں بعض مؤرخین لکھ رہے ہیں کہ جو تقاریر اور مراثی ام کلثوم کی طرف منسوب ہیں وہ سب زینب بنت علی رض کی ہیں۔ بی بی زینب کی دو تقریریں کربلا کے بعد کے واقعات میں ہم درج کر چکے ہیں۔ افسوس ہے۔ ان کا کوئی مرثیہ انتہائی جستجو کے بعد ہمیں دستیاب نہ ہو سکا۔ لیکن ان کی شاعری سے انکار نہیں ہو سکتا گو نمونہ کے اشعار ہم درج نہیں کر سکتے۔ مگر ان کے شاعرہ ہونے کا ثبوت ابن زیاد جیسے جانی دشمن کے ان الفاظ سے مل رہا ہے "یہ عورت سجع اور قافیہ میں بات کرتی ہے"! اور شاعری میں جو ملکہ حاصل ہے مجھے اس پر تعجب نہیں"

خطابت۔ بی بی زینب کو خطابت ماں اور باپ سے ورثہ میں ملی تھی یسیدۃ النساء اکثر مسجد نبوی میں وعظ فرماتی تھیں۔ ایک دفعہ قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ ایک شخص حارث بن اسد اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی چیخیں نکلنے لگیں اور وہیں مر گیا[1]۔ حضرت علی رض کی تقریروں نے مسلمانوں پر کئی موقعوں پر جادو کا کام کیا ہے

[1] الزہرا۔

بی بی زینب کو بھی فن خطابت میں کمال حاصل تھا۔ ان کا بیان درد اور تاثیر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہوتا تھا کہ سامعین کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آجاتے تھے۔ اسی وجہ سے انھیں "فصیحہ و بلیغہ" بھی کہا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ قدرت نے ان کو فصاحت اور بلاغت کا وہ جوہر عطا کیا تھا۔ جو بہت کم عورتوں کو ملا ہے۔ مدینہ اور کوفہ کی مجالس میں بی بی زینب کے مواعظ اور تقاریر نے ہزاروں دلوں کو تڑپایا ہے اور ان سے آفریں مرحبا اور تحسین کی صدائیں بلند ہوئی ہیں۔ یزید کے دربار میں حاکم کوفہ کے روبرو اور کوفہ کے بازار میں بی بی زینب نے جو تقریریں کیں وہ بتا رہی ہیں کہ فن خطابت میں بی بی زینب کا درجہ نہایت بلند ہے۔ دشمن ازلی ابن زیاد جو قتل پر تُلا ہوا ہے ان الفاظ میں ان کے فن خطابت کا لوہا مانتا ہے۔ "تم کو شاعری اور خطابت میں جو ملکہ ہے اس پر مجھے تعجب نہیں"۔ بشیر بن خزیم اسدی کہتے ہیں کہ "میں نے کوفہ کے بازار میں حضرت زینب کی تقریر سُنی تھی۔ سارے اجتماع پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ جس وقت آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا "خاموش رہو" تو یہ حالت تھی کہ سانس لینے کی بھی آواز نہ آتی تھی۔ اس کے بعد جب آپ نے تقریر شروع کی تو مجمع پر ایک خاص کیفیت تھی اور فضا میں سکوت چھایا ہوا تھا"۔ بی بی زینب کی ان تقریروں کو سُنکر بعض لوگوں نے کہا تھا "کہ فصاحت و بلاغت تو ان کے گھرانے کی لونڈی ہے"۔ بعض لوگوں نے طعن کے طور پر یہ بھی کہا کہ "جو لفاظی ان کے باپ علی میں تھی وہی ان میں بھی ہے"۔ جس کا یہ بھی مطلب ہوا کہ جس طرح وہ فی البدیہہ تقریر کرتے تھے۔ اسی طرح ان کو بھی تقریر کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ ایک اور مورخ لکھ رہا ہے کہ جب بی بی زینب نے کوفہ کے بازار میں تقریر کی اور کوفیوں نے تقریر کے لب و لہجہ اور الفاظ کو سنا تو فوراً حضرت علی کا لب و لہجہ اور الفاظ ان کو یاد آگئے وہ تقریر کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے اور جب تقریر ختم ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا "لاریب ایسی تقریر علی رضؓ کی بیٹی ہی کر سکتی ہے"۔

شجاعت ۔ بی بی زینب کو اپنے نانا، رسالتمآب صلعم اور اپنے باپ حیدر کرار سے
شجاعت بھی ورثہ میں ملی تھی۔ شہادتِ حسینؑ کے بعد جب عمر وسعد اور اس کے ساتھیوں نے
اہل بیت نبوی کے خیموں کو لوٹنے اور آگ لگانے کے بعد امام زین العابدین کی طرف رخ کیا
کہ ان کو قتل کر دیں تو بی بی زینب نے اعدا کو للکارا اور اس قدر جرات ہمت اور شجاعت کا
مظاہرہ کیا کہ عمر وسعد کو اس ارادہ سے باز رہنا پڑا۔ اور عابد بیمار کی جان بچ گئی۔ پھر ابن زیاد
کے دربار میں جب امام زین العابدین کو قتل کا حکم دیا گیا تو بی بی زینب اُن پر گر پڑیں اور
فرمایا "جب تک میں زندہ ہوں اپنے بھتیجے کو نہ چھوڑوں گی۔ قتل ہوں گے تو دونوں ساتھ
ہوں گے۔" ان کی شجاعت ہی کا نتیجہ تھا کہ اس موقعہ پر بھی امام زین العابدین قتل نہ کئے
جا سکے۔ اس کے بعد یزید کے دربار میں، بادشاہ کے سامنے، ہزاروں دشمنوں کے رُو برو
انھوں نے جو تقریر کی اُس سے اور کربلا کے میدان میں عمر وسعد اور شمر ذی الجوشن سے جس
جُرأت کے ساتھ مخاطب ہوئیں۔ اُس سے اور پھر نانماں برباد سیدانیوں اور بچوں کی حفاظت
کے لئے رات بھر جس ہمت اور بے جگری کے ساتھ خیمہ کا پہرہ دیتی رہیں۔ اُس سے اچھی طرح
ثابت ہو رہا ہے۔ کہ وہ انتہا درجہ کی بے خوف، نڈر، جری اور شجاع تھیں۔ اسی شجاعت
کی وجہ سے اُنھیں شجاعہ بھی کہا جاتا ہے۔

صبر و استقامت ۔ بی بی زینب کی تمام عمر مصائب اور صدمات کا مقابلہ کرتے
گزری۔ نانا اور ماں کی رحلت کے بعد باپ کی شہادت، بھائی کی خلافت سے دستبرداری
اور شہادت اس کے بعد کربلا کے واقعات کچھ کم جگر دوز نہ تھے۔ بی بی زینب کے سفر کربلا
میں قدم قدم پر ان کے صبر و استقامت کا امتحان تھا مکہ سے روانہ ہونے کے بعد کربلا
پہنچنے تک ہر منزل میں مختلف قسم کے لوگ خاندان رسالت کے اس قافلے سے ملے۔
ہم خیال بھی مخالف بھی حضرت زینب نے سب باتیں صبر و سکون سے سُنیں اور ثبات و استقامت
کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ امام حسنؓ کی دست برداری خلافت، ان کے خاندان کے بعض افراد

کو سخت ناگوار گزری اور بعض حضرات نے سخت الفاظ بھی کہے لیکن بی بی زینب کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ اور انھوں نے انسانی تحمل اور ضبط سے کام لیا۔

امام حسینؑ کربلا جانے لگے تو شدت کے ساتھ مخالفت ہوئی یہاں تک کہ بقول بعض مورخین حضرت عبداللہ بن جعفر نے بھی مخالفت کی لیکن بی بی زینب کا عزم اٹل تھا اور ان کا پائے استقامت کسی مخالفت سے متزلزل نہ ہو سکا۔ وہ حقیقی معنوں میں قضا و قدر پر راضی اور صابر تھیں یعنی قضا و قدر سے جو کچھ ظہور میں آتا تھا۔ اس کو صبر و سکون سے برداشت کرتی تھیں۔ اس لئے ان کا لقب "الراضیۃ بالقدر والقضا" بھی ہے۔ میدان کربلا میں ان کی کیسی کیسی آزمائش ہوئی ہے۔ بھوکی پیاسی رہیں۔ عون و محمد جیسے پھلرو اسے لال خاک و خون میں مل گئے۔ عزیزوں کے لاشے دیکھے۔ جان سے زیادہ عزیز بھائی کی شہادت دیکھی۔ پھر خیموں میں آگ لگائی گئی، لوٹ کھسوٹ مچی۔ رسول اللہ کی پیاریوں کی ردائیں گھسیٹی گئیں۔ اور خود ان کے گوشوارے کھینچے گئے۔ المختصر روحانی و جسمانی کوئی تکلیف اور اذیت نہ تھی جو اُن کو نہ پہنچی مگر انھوں نے صبر و سکون کے ساتھ قضا و قدر کے آگے سر خم رکھا اور ثبات و استقامت میں سر مو فرق نہ آیا۔ پھر یزید کی فوج کے نامعقول سپاہیوں اور کوفہ کے ناشائستہ لوگوں نے خاندانِ رسالت پر آوازے کسے۔ لیکن بی بی زینب کی چشم و ابرو پر بل نہ آیا۔ حادثۂ کربلا کے بعد ہاشمی اور علوی خاندانوں کے افراد میں کربلا کے مظالم کے انتقام کا جذبہ پایا جاتا تھا جس کا حادثۂ حرّہ پر ظہور ہوا۔ لیکن بی بی زینب کے دل میں یہ جذبہ موجزن نہ تھا۔ جو کچھ ہوا اس کو انھوں نے قضا و قدر سمجھا اور صبر و تحمل اور صبر و استقامت سے کام لے کر حق و ناحق کے فیصلہ کو خدا پر چھوڑ دیا۔

بی بی زینب کی جن عادات و خصائل اور خصائص و فضائل کو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض خوبیاں مثلاً شجاعت، عبادت، نفس کشی، محنت، سادگی، متانت

صداقت وغیرہ ہمیں بعض غیر مسلم مشاہیر میں بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن اس طرح کہ کوئی ایک لحاظ سے بے مثل ہے۔ تو دوسرا کسی اور اعتبار سے ۔ ا ایک دو باتوں کے لئے مشہور ہے تو دوسری خوبیوں کے لئے ب ج وغیرہ کا نام لیا جائے گا۔ اس لئے بی بی زینب کا اس قدر جامع صفات انسان ہونا ہمیں حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ اور ہم دنگ رہ جاتے ہیں کہ ایک انسان میں اتنی ساری خوبیاں کس طرح جمع ہو گئیں۔ لیکن ہمارا تعجب دور ہو جاتا ہے۔ جب ہم انھیں ایک مسلمان کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ ایک بے مثل انسان اس وجہ سے تھیں کہ ایک نہایت اچھی اور سچی مسلمان تھیں۔

۴۵۔ بہ حیثیت مسلمان

بی بی زینب شریعت اسلامیہ کے اتباع کا ایک ایسا نمونہ تھیں جس کی چند مثالیں ہمیں صرف عہد صحابہ میں نظر آتی ہیں۔ فرائض اسلام پر زیادہ سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ کوئی شخص اتنا ہی قائم رہا ہوگا جتنا بی بی زینب۔ وہ اسلام کے ہر رکن کو پورے جوش۔ سچی عقیدت اور انتہائی خلوص سے ادا کرتی تھیں۔ خانہ داری۔ شوہر کی عظمت و راحت۔ بچوں کی پرورش و تربیت۔ باپ بھائیوں کی خدمت۔ عزیز دل رشتہ داروں۔ پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کی امداد اور ہمدردی غرض دنیاوی کاموں سے فارغ ہوکر جو وقت انھیں ملتا تھا۔ عبادت اور مذہب مقدس کی خدمت میں گزارتی تھیں۔ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی میں منہمک رہتی تھیں۔ ایک طرف ساری ساری رات وہ خالق کی عبادت میں گزارتی ہیں تو دوسری طرف مخلوق کی خدمت میں اپنا زر و مال خرچ کرتی نظر آتی ہیں۔ اُن کی سخاوت اور تواضع نے یتیموں۔ اپاہجوں۔ ناداروں۔ فقیروں کی دستگیری کی ہے۔ اور اُن کی آنکھیں۔ اُن کے ہاتھ۔ ان کے پاؤں۔ ناچار و مجبور انسانوں کی خدمت

میں مصروف رہے ہیں۔ عبداللہ بن جعفر خوش حال تاجر تھے۔ مگر یہ دونوں میاں بیوی غریبوں اور محتاجوں پر اس قدر خرچ کرتے تھے کہ اکثر قرضدار ہو جاتے تھے جس بی بی کی رگ رگ میں خوفِ خدا پیوست تھا۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی جس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ سادگی جس کی عادت خُلق جس کا شیوہ۔ صداقت جس کا زیور حیا جس کا ایمان۔ اور پاکیزگی اور تقویٰ جس کا عقیدہ تھا۔ جفاکشی اور نفس کُشی میں جس کی ساری عمر گزری تسلیم ورضا۔ استقلال و استقامت اور صبر وضبط کے امتحانات میں ہر موقع پر جو چاندی کی طرح چمک اور الماس کی طرح دمک رہی ہے۔ المختصر خالق کی رضا مندی اور مخلوق کی خدمت جس کا مقصدِ زندگی تھا۔ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ کس پایہ کی مسلمان تھیں۔

مدینہ اور کوفہ میں اُن کی خدمت میں خواتین اکثر حاضر ہوتی اور اُن کے ارشادات عالیہ اور مخلصانہ مشوروں سے مستفید ہوتی رہتی تھیں۔ مجالس درس و وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کرکے خواتین کے دل و دماغ روشنی اسلام سے جگمگا دنیا۔ ان کی ایک بڑی اسلامی خدمت ہے۔ رسالتمآب نے دینِ اسلام کی بنیاد رکھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اپنے مال و دولت سے حضرت فاطمۃ الزہرا نے اپنے ایثار سے اور حضرت زینب کبریٰ نے اپنے صبر و ضبط سے اس بنیاد کی جڑیں مضبوط کی ہیں۔ اگر بی بی زینب چاہتیں تو واقعہ کربلا کے بعد بنو ہاشم اور بنو امیہ کو آسانی سے، بہت آسانی سے، نہایت آسانی سے اور بے حد آسانی سے لڑا سکتی تھیں۔ اور ان کا یہ فعل ہر گز خلافِ فطرت انسانی نہ ہوتا۔ مگر انھوں نے اپنے نانا کے دین کی جڑیں۔ اپنی نانی اور اپنی ماں کی طرح اپنی قربانیوں سے مضبوط کی تھیں۔ بھائی۔ بیٹوں بھتیجوں جیسے پیاروں کو اسلام کے استحکام کے لئے قربان کرنے کے بعد ناممکن تھا کہ نفس اُن پر غالب آتا۔ اور وہ کوئی ایسا قدم اُٹھائیں جو اسلام کے انہدام سے کسی نہ کسی طرح تعبیر کیا جا سکتا۔ دنیاوی اعزاز و اکرام ٹھکرا کر راہِ صداقت سے ایک قدم نہ جھُکنا۔ امام حسینؑ کو اسی راستے پہ چلنے کی ترغیب دیتے

رہنا۔ دین کے استحکام کے لئے سب کچھ لٹا دینا۔ کیا ڈنکے کی چوٹ نہیں بتا رہا کہ بی بی زینب
کس قدر اعلیٰ مرتبت اور بلند پایہ کیسی جلیل القدر اور رفیع الشان مسلمان تھیں؟ کلیجہ
دہلا دینے، دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے۔ اور جسم کو تھرا دینے والے جبر و تعدی پر
ان کا صبر و ضبط۔ جگر کو پارہ پارہ کر دینے والے طعن و تشنیع پر ان کا تحمل اور ان تمام
مصائب کو جو ایک انسان کا دل و دماغ الٹ دینے کے لئے کافی سے بہت زیادہ ہیں
سکون کے ساتھ برداشت کرنا اور قدم قدم پر اس کا خیال رکھنا کہ نانا جان کے مذہب
کو کہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ کیا اسلام کی غیر فانی خدمت نہیں؟ الحق کہ
چمن اسلام میں ایسے سدا بہار گلہائے رنگا رنگ کھلا دینے سیدہ کی بیٹی ہی کی شان تھی!!

بی بی زینب ایک مسلمان کی حیثیت سے ایثار، صداقت، عزم، استقامت
اور صبر و رضا کا جو رنگ عقل سلیم دماغ صحیح اور چشم بینا کو دکھا گئیں۔ ان کے بعد ہمیں
کسی مسلمان میں نظر نہیں آتا اور ان کے نانا سے قبل یہ صفات صرف خدا کے ان برگزیدہ
بندوں میں ملتی ہیں جنہیں خدا کا مقدس کلام انبیا و بتا رہا ہے۔ ان کی عملی زندگی اور
اُن کے اسلام کو پیش نظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ گو وہ پیغمبر نہ تھیں پیغمبر کی نواسی تھیں
لیکن انھوں نے پیغمبر کے فرائض انجام دیئے۔ اور ان کی شخصیت میں پیغمبری جھلک
رہی ہے۔

بی بی زینب کے القاب

(۱) راضیۃ بالقدر والقضا (۲) عالمۂ غیر معلمہ (۳) شجاعہ (۴) زاہدہ فاضلہ (۵) عالمۂ عابدہ
(۶) فصیحہ بلیغہ۔ ان القاب کا ذکر انسانی خوبیوں میں آچکا ہے۔ ایرانی مورخ السید
نور الدین جنید اور القاب لکھتا ہے:-

نائبۃ الزہرا۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بی بی زینب اکثر اعتبار سے
دوسری سیدہ تھیں۔ جو خصائص قدرت نے فاطمۃ الزہرا کو عطا فرمائی تھیں۔ ان میں

سے اکثر وبیشتر زینب کبریٰ میں پوری طرح موجود تھیں۔ اور صحابیہ کرام کی خواتین حضرت زینب کی رفتار گفتار نشست برخاست۔ عادت واطوار اور اخلاق دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھتی تھیں کہ زینب ماں کی سچی جانشین ہیں۔

(۹) **ولیتہ اللہ**۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسلام کے استحکام کے لئے غیر معمولی صدمات برداشت کئے۔

(۱۰) **صدیقۃ الصغریٰ**۔ جو شخص انتہا درجہ کا سچا ہو اسے صدیق کہا جاتا ہے انبیاء میں حضرات یوسفؑ۔ ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ کو خصوصیت کے ساتھ یہ منصب ملا ہے اور صحابہ رسول میں حضرات ابوبکرؓ اور علیؓ کو۔ عورتوں میں مریمؑ بنت عمران۔ خدیجۃ الکبریٰؓ عائشہؓ بنت ابوبکرؓ اور فاطمہؓ بنت محمدؐ کے بعد زینب بنت علی کو صدیقہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ کی تمام حرکات وسکنات اقوال واعمال درست وراست تھے۔

(۱۱) **شریکۃ الحسین**۔ امام حسینؑ جن مصائب میں مبتلا ہوئے بی بی زینب ان میں برابر کی شریک تھیں۔ ہر سفر میں ان کے ساتھ رہیں۔ ہر موقعہ پر ان کی حوصلہ افزائی کی۔ انھیں کی تحریک وتائید سے امام حسینؑ نے سب کام انجام دیئے تھے۔

(۱۲) **موثقہ**۔ امام زین العابدین جب کوئی حدیث یا واقعہ بیان کرتے تھے تو اپنی پھوپی بی بی زینب کی جانب اس کو منسوب کرتے تھے تاکہ اس کو معتبر خیال کیا جائے اور کسی کو شک وشبہ نہ رہے۔ امام حسینؑ اور امام زین العابدین کو بی بی زینب پر اس قدر وثوق واعتماد تھا کہ بغیر مشورہ کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ خاندان کے بعض واقعات اور رموز صرف بی بی زینب کو معلوم تھیں سا امام زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان حضرت زینب ہی سے ان کی روایت کرتے تھے۔ اسی بنا پر ان کا ایک لقب موثقہ بھی ہے۔

(۱۳) **محبوبۃ المصطفیٰ**۔ بی بی زینب سیدۃ النساء کی چہیتی بیٹی تھیں اور رسالتمآب کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی اس وجہ سے آپ کا ایک لقب یہ بھی ہے۔

(۱۴) کعبۃ الرزیا۔ کعبہ اس لئے کہا گیا کہ اطراف وجوانب ملک سے زیارت وشرفِ ملاقات کے لئے کثرت سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور کعبۃ المزایا (مصائب وبلا کی منزل) اس لئے کہا جاتا ہے کہ تمام اطراف سے مصائب وآفات آپ پر نازل ہوئیں۔ خلافت علیؑ سے لے کر تادمِ حیات۔

ان کے علاوہ بی بی زینب کے یہ القاب بھی ہیں۔ (۱۵) عصمۃ الصغرا۔ (۱۶) ناموس الکبریٰ (۱۷) امینۃ اللہ (۱۸) قرۃ عین المرتضیٰ (۱۹) شفیقۃ الحسن المجتبیٰ (۲۰) عاقلہ کاملہ۔

۵۵۔ بحیثیت عورت

بول نواسا اور بہو۔ نند اور بھاوج۔ دیورانی اور جٹھانی۔ دادی اور پوتی۔ نانی اور نواسی۔ خالہ اور بھانجی۔ پھوپی اور بھتیجی۔ عورت کی کئی حیثیتیں ہیں لیکن سب سے اہم بیٹی، بہن۔ بیوی اور ماں۔ چار حیثیتیں ہیں لیکن بہت سی اللہ کی بندیاں اولاد کی حسرت قبر میں لے جاتی ہیں۔ اور انھیں ماں بننا نصیب نہیں ہوتا۔ بہت سی عورتیں بھائیوں جیسی نعمت سے محروم ہوتی ہیں۔ ایسی بھی عفت مآب خواتین ہیں جن کو بنا بلا نہ زندگی میسر نہ ہوئی۔ بی بی زینب اس اعتبار سے بھی ایک مکمل انسان تھیں کہ نسوانی زندگی کی ان چاروں حیثیتوں میں نظر آتی ہیں۔

بیٹی | سیّدۃ النساء کی رحلت کے وقت بی بی زینب چھ سات سال کی تھیں۔ لیکن اس چھوٹی عمر میں بھی گھر کی صفائی ستھرائی۔ پکانے ریندھن اور گھر کے دوسرے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ وہ قدرت کی طرف سے ایسی طبیعت لے کر آئی تھیں کہ ان کی ماں کو ان کی تربیت میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ یہ قیاس تو بی بی زینب کی بشریت کو پیش نظر رکھ کر درست نہ ہوگا کہ انھوں نے بچپن میں کبھی شرارت کی ہی نہ ہوگی۔

ان کی اور امام حسینؑ کی بچپن میں لڑائیاں ہوتی تھیں جس طرح سب بچوں میں ہوتی ہیں مگر کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ ان کی کسی شرارت سے ان کی محترم ماں کو دکھ پہنچا ہو۔ ماں کی رحلت کے بعد ایک طرف باپ کی خدمت اور بھائیوں کے کاموں میں منہمک رہیں۔ تو دوسری طرف سوتیلی ماؤں کے ساتھ اُن کا برتاؤ حقیقی بیٹیوں کا سا رہا۔ شادی کے بعد فرائض میں اضافہ ہوگیا اور ذمہ داریاں بڑھ گئیں لیکن باپ کی طرف سے پھر بھی وہ غافل نہ ہوئیں ۳۶ھ میں جب شیر خدا بصرہ تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ گئیں اور جب کوفہ دارالخلافہ بنایا تو شوہر اور بچوں کو لے کر خود بھی باپ کے ساتھ وہیں چلی گئیں۔ اور جب تک باپ کا سایہ سر پر قائم رہا ان سے علیحدہ نہ ہوئیں۔ جو فضا ان کے خلاف تھی اُسے بڑی حد تک مجلس درس و وعظ کے ذریعہ صاف کیا اور متاہلانہ ذمہ داریوں کے باوجود ممکن طریقہ سے باپ کی خدمت میں منہمک رہیں۔ ان واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ کس قدر سعادت مند بیٹی تھیں۔ دمِ واپسیں کے وقت باپ کا بھائیوں کو ان کے سپرد کرنا بتا رہا ہے کہ شیرِ خدا کی نظر میں ان کی کس قدر وقعت تھی۔ باپ کے بعد انھوں نے ماں باپ کے الفاظ کا جس قدر خیال رکھا۔ اور خاندان کی آبرو اور ماں باپ کی لاج کے لئے جو جو تکلیفیں اٹھائیں وہ ثابت کر رہی ہیں۔ وہ کیسی اچھی اور کتنی اچھی بیٹی تھیں۔

بیوی۔ جب قانون قدرت نے بی بی زینب کو حضرت علی رضؓ کے گھر سے حضرت عبداللہ بن جعفر کے گھر پہنچا دیا۔ تو وہ دن رات شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش میں لگی رہیں وہ دنیا میں سہاگن آئی تھیں اور سہاگن ہی رخصت ہوئیں[۱]۔ مگر پینتالیس سال کی ازدواجی زندگی میں۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کہ تعلقات میں کبھی بامزگی نہیں ہوئی جیسا کہ ہم تیسرے باب میں لکھ چکے ہیں۔ چھوٹی موٹی باتوں میں اختلافات ہر جگہ ہوتے ہیں۔ مگر تاریخ کے

---

[۱] عبداللہ بن جعفر کا انتقال ۸۰ھ میں ہوا (تاریخ اسلام از سید ذاکر حسین جعفر)

صفحات پر انتہائی تلاش کے باوجود ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہ مل سکا جس سے ثابت ہوسکے
کہ بی بی زینب نے اپنے شوہر کو کبھی ناراض یا ناخوش کیا۔ ہاں ایک واقعہ بعض مورخین کے
بیان کے مطابق ایسا ہے جس میں بحث کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ یہ واقعہ حادثۂ کربلا کے
باب میں مدینہ سے روانگی کے سلسلہ میں آچکا ہے کہ جب امام حسینؑ جانے لگے۔ تو
بی بی زینب نے شوہر سے اجازت طلب کی حضرت عبداللہ نے انھیں سمجھایا کہ امام حسینؑ
کا وہاں جانا خطرہ سے خالی نہیں مگر جب یہ دیکھا کہ بیوی کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور وہ ان
کے اختلاف سے متاثر ہیں۔ تو خوشی سے اجازت دیدی۔ مورخین کی ایک رائے یہ بھی
ہے کہ حضرت عبداللہ بیمار تھے۔ خود نہ جا سکتے تھے۔ انھوں نے ہنسی خوشی بیوی کو امام حسینؑ
کے ساتھ بھیج دیا۔ اگر پہلا بیان صحیح ہے تو سوال ہوتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ سمجھ رہے
تھے کہ امام حسینؑ کا سفر پُر خطر ہے۔ تو اُنھوں نے بیوی کو اجازت کیوں دی؟ اس کا جواب
یہ ہے کہ عبداللہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ اُن کی بیوی کو اپنے بھائی سے بے انتہا
محبت ہے۔ وہ اگر بھائی کے ساتھ نہ گئیں تو سخت بے چین اور مضطرب رہیں گی اس لئے
ان کے جذبات کا احترام کیا لیکن بیوی کی خوشی پوری کرنے کا خیال اور جذبات کا احترام
سچے دل سے اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ جب میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار ہوں
اگر بی بی زینب حضرت عبداللہ کو ناخوش رکھتیں۔ ان کا مرتبہ بی بی زینب کی نظروں میں
وقیع نہ ہوتا یا ان کو بیوی کی طرف سے شکایات ہوتیں۔ تو وہ بآسانی قطعی طور پر منع کرسکتے
تھے۔ بیوی کو روکنے یعنی امام حسینؑ کے ساتھ نہ جانے کی اجازت نہ دینے کی وجہ اگر
تعلقات کی ناخوشگواری ہو سکتی تھی تو انتہائے محبت بھی ہو سکتی تھی۔ مگر وہ اچھی طرح
جانتے تھے کہ زینب اور حسینؑ دو قالب مگر ایک جان ہیں۔ میں اپنی محبت میں ان کو روکتا
ہوں۔ تو ان کی جان حسینؑ میں پڑی رہے گی۔ اس سفر میں ممکن ہے زینب زندہ رہیں
لیکن حسینؑ سے بچھڑ کر بہت ممکن ہے کہ بھائی کی عاشق زار بہن تڑپ تڑپ کر مر جائے۔

اس لئے انھوں نے اپنی خوشی پر بیوی کی خوشی کو ترجیح دی۔ اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ بی بی زینب سے بہت خوش تھے۔ اگر دوسرا بیان صحیح ہے کہ عبداللہ بیمار تھے اس لئے نہ جا سکے۔ تو ان کا ہنسی خوشی بیوی کو بھیجنا یہ بھی ثابت کر رہا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات نہایت اچھے تھے۔ اگر بی بی زینب کو شوہر کی رضامندی حاصل نہ ہوتی اگر حضرت عبداللہ بی بی زینب سے خوش نہ ہوتے تو جس حالت میں کہ ان کی مالی حالت اچھی تھی وہ کسی لحاظ سے سُسرال کے محتاج نہ تھے بمشکل سے ممکن تھا کہ وہ خُسر کے ساتھ مدینہ کی سکونت ترک کر کے کوفہ جاتے اور پھر جب امام حسنؑ مدینہ آئے تو ان کے ساتھ مدینہ آ جاتے۔ حضرت عبداللہ کا سُسرال والوں کے ساتھ کوفہ میں قیام اور بیوی کو امام حسینؑ کے ساتھ سفر کے لئے بھیجنا یا جانے کی اجازت دینا ان دونوں واقعات کو سمجھنے کے بعد کون ذی ہوش ہے۔ جو اس حقیقت میں تامل کر سکے کہ حضرت عبداللہ حضرت زینب سے خوش تھے۔ اور بے حد خوش۔ اور حضرت زینب نے اپنی اطاعت خدمت گذاری خانہ داری سلیقہ شعاری۔ خوش مزاجی غرض اپنی اعلیٰ سیرت سے حضرت عبداللہ کا دل موہ لیا تھا۔ اور وہ اتنی اچھی بیوی تھیں کہ حضرت عبداللہ کو ان کی دل شکنی کبھی گوارا نہ ہوئی۔

ماں | بی بی زینب کے بچوں کے بارے میں مؤرخین کے تین بیانات ہیں۔ ایک یہ ہے کہ صرف دو بچے عون و محمد تھے۔ جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ دوسرا یہ کہ ان دو بچوں کے علاوہ دو لڑکے علی اور عباس اور تھے۔ تیسرا بیان یہ ہے کہ ایک لڑکی ام کلثوم بھی تھیں۔ جن کے لئے یزید کا پیام امیر معاویہ نے بھجوایا تھا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بی بی زینب کے پانچ بچے تھے۔ جب بھی ام کلثوم کے متعلق پیام نکاح کے سوا مؤرخین اور کچھ نہیں کہتے اور علی رضہ اور عباس کے بارے میں سوائے یہ کہنے کے کہ عباس لاولد رہے اور علی سے سلسلۂ نسب چلا بالکل خاموش ہیں۔

اس لئے ہمارے سامنے بی بی زینب کی حیثیت صرف عون و محمد کی ماں کی رہ جاتی ہے۔

ماں قابلِ ستائش وہ سمجھی جاتی ہے جس کی اولاد نیک اور لائق ہو۔ یعنی جس میں انسانیت کی اکثر خوبیاں ہوں۔ دنیاوی اعتبار سے کامیاب اور خوش ہو اور والدین کی فرمانبردار ہو۔ جس اولاد میں یہ خوبیاں ہیں۔ اس کی ماں خوش نصیب اور قابلِ قدر ماں ہے۔ اس وجہ سے کہ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں جو اس کی سب سے بڑی ذمہ داری تھی۔ اُس نے اپنے فرض کی ادائیگی کی طرف پوری توجہ کی محض مامتا سے مجبور ہو کر نہیں عقل اور سمجھ سے کام لے کر کتنی ہی مرتبہ اپنا دل مار کر، اپنا پتہ کچل کر اور اپنے جذبات کو پس پشت ڈال کر اُس نے بچہ کی عارضی خوشیوں کی پروا ہ نہیں کی۔ اور اس کے مستقبل کو سامنے رکھا اور ایک گزشتہ کے لوتھڑے کو۔ گوشت پوست کا آدمی نہیں واقعی انسان بنا دیا۔ اچھی ماں وہ ہے جو بچوں میں اچھی باتیں پیدا کرے یعنی ایسی خوبیاں جنھیں دیکھ کر دوسرے اسے اچھا کہیں۔ اور اس گود کی تعریف کریں جس نے اسے یہ اچھی باتیں سکھائیں۔ عون و محمد شہادت گہہ کربلا میں دیکھ رہے تھے کہ اِدھر گنتی کے چند نفوس تھے۔ اور اُدھر ہزاروں کا لشکر۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اِدھر سے جو جاتا تھا دشمن گھیر کر قتل کر دیتے تھے۔ وہ اگر اپنی جانیں بچانی چاہتے تو بچا سکتے تھے اور بی بی زینب جس طرح اپنی جرأت اور شجاعت سے عابد بیمار کو زندہ سلامت اپنے ساتھ لے آئیں۔ اسی طرح اپنے بچوں کو بھی زندہ لاکر اپنا کلیجہ ٹھنڈا رکھ سکتی تھیں۔ لیکن بچوں میں غیرت اور خودداری تھی۔ اس قتل گاہ سے جہاں اُن کے ماموں پر تمام عزیز قربان ہو رہے تھے۔ وہ اپنی جانیں بچا کر۔ ماموں کی اہلِ بیت کی۔ بنو ہاشم کی، وطن کی اور تمام مسلمانوں کی نظر میں اپنی ماں کی شخصیت کو ملکانہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنی جانیں قربان کرنی قبول کیں مگر یہ گوارا نہ کیا کہ ان کی ماں پر جس نے خونِ جگر پلا کر ارمانوں اور امنگوں کے ساتھ اپنی جوانی خاک میں

ملا کر برسوں کی محنت کے بعد انھیں اصول پر قربان ہونے کے قابل کیا۔ ان کے زندہ رہنے پر کوئی حرف آسکے بغیرت کا پاس اور اس درجہ خودداری کا لحاظ اور اس حد تک!! ماں کے دودھ کی تاثیر اور ماں کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا۔ ماں کے حکم سے پہلے رن میں جانے کو تیار۔ ماں کا اشارہ ملتے ہی سر کٹانے کو موجود۔ ماں کی اجازت حاصل ہوتے ہی بے پایاں مسرت کا اظہار۔ گویا ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آگئی۔ بچوں کا شوق شہادت اور یہ سب باتیں ڈنکے کی چوٹ بتا گئیں کہ وہ اس ماں کے بیٹے تھے جس نے اپنے بچوں کی ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی۔ حق و صداقت کے لئے اپنی سب سے بڑی دولت کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور اسلام کی سربلندی ترقی اور استحکام پر اولاد جیسی نعمت بے بہا قربان کر دی اور جس ماں کی عمر بھر کی کمائی اس طرح ٹھکانے لگے اس سے بہتر ماں اور کون ہوسکتی ہے؟

بہن | بی بی زینب کو بچپن میں بھائیوں سے جو غیر معمولی محبت تھی ماں کی رحلت نے اس محبت میں اور اضافہ کیا۔ اور بہن نے بھائیوں کو راحت اور آسائش پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی شادی ہوگئی۔ سسرال عورت کی زندگی کی سب سے کٹھن منزل ہے۔ ان لوگوں میں رہنا سہنا تھا جن کی ہمدردی قدرتی طور پر نہیں اپنی اعلیٰ سیرت ہی کی وجہ سے حاصل ہوسکتی تھی۔ ایک ایسے شخص کا دل رام کرنا تھا جس کی رضامندی پر دنیا کی کامیابی کا انحصار تھا۔ ایک نئے گھر کا انتظام خانہ داری کے بکھیڑے۔ بچوں کی پرورش۔ غرض سسرال ایک نئی دنیا تھی اور بہت وسیع دنیا۔ اور اس انقلاب کے ساتھ بہت سے فرائض کا اضافہ۔ لیکن بی بی زینب شادی کے بعد بھی بھائیوں کی طرف سے غافل نہ رہیں۔ اور اس بات کا پوری طرح خیال رکھا کہ انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ان کے سکھ اور آرام کے لئے جو ممکن کوشش ہوسکتی تھی، شادی کے بعد بھی کرتی رہیں۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ ان کے بھائی باپ

کے ساتھ مدینہ کی سکونت ترک کرکے کوفہ جانے لگے تو بی بی زینب نے بھائیوں کا ساتھ
نہ چھوڑا۔ وہ اپنے گھر کی منتظم تھیں اور سینکڑوں ذمہ داریوں کا بوجھ اُن کے سر پر تھا۔
مگر انھیں بھائیوں کی جدائی ایک دن کو بھی گوارا نہ تھی۔ انھوں نے شوہر کو کوفہ جانے کے
لئے رضامند کیا اور شوہر کو ساتھ لے کر کوفہ گئیں پھر باپ کی شہادت۔ بڑے بھائی کی خلافت
اور دست برداری کے بعد جب دونوں بھائی مدینہ آنے لگے۔ تو انھوں نے بھی کوفہ کی
سکونت ترک کردی۔ اور شوہر۔ بچوں اور بھائیوں کے ساتھ مدینہ میں طمانیت سے زندگی
بسر کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ ۴۹ھ میں امام حسنؑ نے داغ مفارقت دیا۔ بی بی زینب
کو باپ اور بڑے بھائی سے جو محبت تھی وہ بھی اب امام حسینؑ میں منتقل ہوگئی۔ اور یہ محبت
فریفتگی تک پہنچ گئی۔ ۶۰ھ میں جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو انھوں نے اپنے
بھائی سے جس پر وہ پروانہ وار نثار تھیں صاف صاف کہہ دیا کہ یزید کی بادشاہت
اسلامی اصول جمہوریت کو زبر دست دھچکا ہے۔ اور یزید بیعت کا ہرگز مستحق نہیں۔ ان کو
بھائی سے عشق اور عشق بدرجۂ غایت تھا مگر یہ وہ عشق نہ تھا جس کے منہ پر آنکھیں جس کے
دماغ میں عقل اور جس کے دل میں حقیقی تڑپ تھی۔ وہ سچی مسلمان تھیں اور بھائی کی محبت
میں ہرگز کسی ایسی بات کو گوارا نہ کرسکتی تھیں جس سے مذہب مقدس کو کسی لحاظ سے بھی
نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اور حق تو یہ ہے کہ بھائی سے یہ انتہائے عشق ہے کہ انھوں نے
امام حسینؑ کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ایسا خیال پیدا نہ ہونے دیا۔ جو کسی اعتبار
سے اسلام کی ترقی میں رکاوٹ ہوسکے۔ جب امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہونے کے لئے
تیار ہونے لگے۔ تو بھائی کی عاشق زار بہن نے اپنے بڑھاپے اور سفر کی زحمت کو نظر
انداز کردیا۔ اور یہ گوارا نہ کیا کہ بھائی کو تنہا جانے دے۔ وہ اس شوہر کی بیوی تھیں
جس کی خدمت و اطاعت میں ساری عمر مصروف رہیں اور جس کی رضامندی حاصل
کرنے کو دونوں جہان کی کامیابی یقین کی۔ وہ ان بچوں کی ماں تھیں جن کو خونِ جگر پلاکر

اپنا سکھ چین قربان کر کے اور بڑی محنت سے، بڑے ارمانوں کے ساتھ پال پوس کر ہوشیار کیا تھا۔ ان سب کی جدائی اُنھیں منظور تھی۔ مگر دل کسی طرح نہ مان سکتا تھا تو بھائی کی مفارقت۔ پھر میدانِ کربلا میں پہنچیں تو ان کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ان کے دل پر جو کچھ گزری۔ اس کے بعد کوفہ اور دمشق میں ان پر جو جو مصائب ٹوٹیں جو جو اذیتیں ان کو پہنچائی گئیں وہ ایسی ہیں کہ جن کے ذکر سے کلیجہ منہ کو آتا ہے!

دُنیا میں بہتر سے بہتر بیویاں گزری ہیں۔ مگر خدیجۃ الکبریٰ سے بہتر بیوی پردۂ دُنیا پر نمودار نہیں ہوئی۔ یہ وہ بیوی تھیں جن کی رحلت کے بعد ایک دوسری بیوی سے سرورِ عالم نے فرمایا تھا کہ "خدا کی قسم مجھ کو خدیجہ سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں اس وقت جب سب کافر تھے۔ اُنھوں نے میری رسالت کی تصدیق اس وقت کی جب سب جھٹلا رہے تھے۔ اُنھوں نے اپنا سارا مال و زر اس وقت اسلام پر قربان کیا جب کوئی متنفس میری مدد نہ کر سکا۔"

بی بی زینب کی پیدائش پر سرورِ کائنات نے فرمایا تھا کہ "یہ بچی خدیجۃ الکبریٰ کی شبیہ ہے۔" چنانچہ سرورِ کائنات کے ارشاد کا ایک ایک حرف پورا ہوا۔ بی بی خدیجہ اگر بہترین بیوی تھیں۔ جو غارِ حرا میں کھانا لے کر جاتی تھیں۔ جہاں سے آفتابِ نبوّت طلوع ہوا تو حضرت زینب کبریٰ اپنے بھائی پر جان چھڑکتی تھیں اور اُنھیں کربلا لے کر گئیں جہاں اُنھوں نے جامِ شہادت نوش فرما کر شانِ اسلامی کو چار چاند لگا دیئے۔ حضرت خدیجہ نے شوہر کی خاطر اسلام پر اپنا تمام مال و زر قربان کر دیا تو حضرت زینب نے بھائی کی خاطر اسلام پر اولاد جیسی دولت لٹا دی۔

دُنیا کی چار برگزیدہ عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کا نام ہے۔ جن سے بہتر بیٹی چشمِ انسانی کو نظر نہیں آئی۔ بی بی فاطمہ نے دین کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے تمام عمر سختیاں اٹھائیں۔ منہ سے بھاپ نہ نکالی اور ہمیشہ باپ پر

قربان ہوتی رہیں۔ بی بی زینب نے اسلام کے استحکام کے لئے صدمات اٹھائے
...ت نہ کی۔ اور بھائی پر پروانہ وار نثار رہیں۔ باوجود شوہر اور بچوں کے فرائض کے
بی بی فاطمہ باپ کی خدمت سے کبھی غافل نہ ہوئیں۔ باوجود شوہر اور بچوں کی ذمہ داریوں
کے بی بی زینب نے بھائی کی خدمت میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ باپ کی رحلت سیدۃ النساء
کے لئے ناقابل برداشت صدمہ تھا۔ اس قدر روئیں کہ آدم علیہ السلام کے آنسو دنیا کو
یاد ... دیئے۔ اور چھ ماہ بعد ہی باپ کی جدائی میں روتے روتے دنیا سے رخصت ہوگئیں۔
بھائی کی مفارقت ابدی جناب زینب کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اس قدر روئیں کہ گریہ یعقوبؑ
... دیا۔ اکثر بیمار رہنے لگیں اور بھائی کی محبت میں بھتیجے کو شام کا سفر تنہا نہ کرنے
دیا ... گئیں اور بھائی کی محبت ہی میں دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ لاریب و صدقنا کہ دنیا
... خدیجۃ الکبریٰ سب سے بہتر بیوی اور فاطمۃ الزہرا سب سے بہتر بیٹی اور الحق کہ
زینب کبریٰ سب سے بہتر بہن تھیں۔ کسی زمانہ میں اور کسی عہد میں کوئی ایسی بہن گزری
ہے ... نے شوہر اور بچوں کی محبت پر بھائی کی محبت کو اس درجہ ترجیح دی ہو؟ کسی قوم
... کسی مذہب میں کسی عورت کو بتایا جا سکتا ہے جس نے زندگی بھر کا سرمایہ تمام عمر کی
پونجی ... اپنے کلیجہ کے ٹکڑے بھائی پر قربان کر دیئے ہوں؟ مشرق میں یا مغرب میں کسی
... نام لیا جا سکتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی نشانی کو موت کے منہ سے نکالنے کے لئے
... پھر خود بھی قربان ہوگئی ہو؟

ختم شد

تصانیف رازق الخیری

وداعِ راشد حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی علالت اور وفات کے حالات۔ ذاتی اوصاف اور مختلف انسانی حیثیتوں کا تذکرہ۔

"مولانا رازق الخیری نے اپنے عظیم المرتبت والد کا اچھوتا طرزِ تحریر گویا ورثہ میں پایا ہے جملہ حالات اس قدر مفصل، موثر لکھے ہیں کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے آگے سینما کے فلم کی طرح نظر آنے لگتے ہیں۔ حزن نگاری کے بادشاہ کے آخری وقت کا بیان نہایت ہی رقت انگیز ہے۔" ساقی دہلی

"رازق الخیری صاحب نے دلی کی صاف ستھری اور آسان زبان میں سچے پاکیزہ جذبات کی دردناک تصویر کھینچ کر رکھدی ہے واقعات کو اس دلدوز اور موثر انداز میں بیان کیا ہے کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔" شاہکار لاہور

اس کتاب میں اس زبردست شخصیت کی زندگی کے آخری دنوں کا المناک افسانہ ہے جس نے ہندوستان کی مسلمان عورت اور اردو زبان کے سلسلہ میں ایسا قابل قدر کام کیا ہے جس کی مثال ہمیں مشکل ہی سے مل سکے گی بلکہ نہیں مل سکے گی۔ موجودہ کتاب انداز بیان کے لحاظ سے علامہ راشد الخیری مرحوم کے دردناک طرز تحریر کا ایک کامیاب عکس ہے اور اس میں جس سادگی سے جناب رازق الخیری نے اس عظیم شخصیت کے آخری لمحوں کے بیان کے ساتھ ساتھ گھریلو فارگی کا دلکش اور قابل رشک نقشہ کھینچا ہے وہ بھی کچھ کم لائق توجہ نہیں ہے۔ رازق صاحب کو معلوم ہوتا ہے کہ اثر ورثے میں ملا ہے اور جگہ جگہ بعض روز مرہ کے زندگی کے شگفتہ واقعات کے بیان نے اس اثر میں اصل تصویر سے تضاد کی وجہ سے اور بھی شدت پیدا کردی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ملال میں ایک ہلکی سی مسرت بھی پیدا ہوتی ہے کہ سوانح نگاری کا یہ ضروری کام علامہ مرحوم ہی کے ایک لائق بیٹے کے ہاتھوں تکمیل پا یا۔ قیمت ۱۲ ادبی دنیا

عصمت کی کہانی حضرت علامہ راشد الخیری کے زیر سایہ ہندوستان کے مشہور و معروف ماہنامہ عصمت نے ۲۸ سال ۱۹۰۸ء تا ۱۹۳۵ء کس طرح گزارے تاریخ میں افسانہ کا لطف۔

ادبی دنیا کی رائے :- بظاہر یہ مختصر سی کتاب ملک کے مشہور زنانہ ماہنامہ عصمت کی تاریخ ہے لیکن اس حکایت کے بیان کے ساتھ ہی ساتھ دنیائے ادب کے ماحول کی ایک دلچسپ کہانی بھی ہمارے پیش نظر ہو جاتی ہے یہ وہ ادبی ماحول ہے۔ جو عصمت کے اجراء سے لے کر اب تک اس قابل قدر ماہنامہ کے کارکنوں کے ارد گرد قائم رہا۔ قیمت ۱۲

ملنے کا پتہ :- مینیجر عصمت بک ڈپو کوچہ چیلاں دہلی